ہفت روزہ
ندائے خلافت
۵ر جولائی ۱۹۹۴ء

☆ اسلام میں ربٰو کی حیثیت پر ایک سرکاری سیمینار
☆ ہماری پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں قوت کا توازن
☆ ٹیکنالوجی کی لامحدود ترقی بے تحاشا بے روزگاری کا سبب ہے

نظام خلافت میں روح عصر کے تقاضوں کو بھی شامل کرنا ہوگا اس لئے کہ حالات میں بڑی تبدیلی واقع ہو چکی ہے۔ اب جہاں یہ ضروری ہے کہ روح دین بھی برقرار رہے اور روح خلافت بھی، وہاں یہ لازم ہے کہ عصر حاضر کا ارتقاء بھی اس میں سمو دیا جائے۔ ایک مثال کے حوالے سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک دور وہ تھا جب نوع انسانی باشاہت کے علاوہ کسی اور طرز حکومت کو نہیں جانتی تھی تو اس زمانے میں خلافت بھی بادشاہت ہی کی شکل میں تھی۔ حضرت داؤدؑ بادشاہ ہی تھے جنہیں مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔ لیکن حضورؐ کے زمانے میں یہ خلافت مسلمانوں کی ایک مشترک متاع بن گئی اور اسے اجتماعی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اب مسلمانوں کو خود اپنے میں سے کسی فرد کو خلیفہ چننا ہے۔ اب خلافت نہ نسلی بنیادوں پر قائم ہوگی اور نہ ہی وراثت میں منتقل ہوگی۔

بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں حکومت کا معاملہ جب نسل اور وراثت کے حوالے سے طے ہونے لگا تو یہ نظام، نظام خلافت نہ رہا بلکہ ملوکیت میں تبدیل ہو گیا۔ اسی طرح عثمانی خلافت کو بھی ملوکیت ہی کا عہد حکومت کہا جائے گا۔ چنانچہ آج اگر ہم دنیا میں پھر سے خلافت کا نظام قائم کرنے چلے ہیں تو اس کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کے اصول کیا ہوں گے۔ تبھی ہمارے اپنے ذہن صاف ہوں گے اور دوسرے لوگوں کے خدشات بھی دور کئے جا سکیں گے، اسی طرح بات پھیلے گی اور چراغ سے چراغ روشن ہوگا۔ ○○

قیمت ۵ روپے

آزاد کشمیر اور اسلام آباد میں

داعی تحریک کی مصروفیات

—— وقائع نگار ——

تحریک خلافت پاکستان حلقہ آزاد کشمیر نے مظفر آباد اور رنگلہ ضلع باغ میں ۲۳ اور ۲۴ جون کو جلسہ ہائے خلافت منعقد کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس پروگرام کے لئے پوسٹروں، ہینڈبلوں اور بینروں وغیرہ کے ذریعے پورے علاقے میں تشہیر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ۲۳ جون کو دوپہر ڈیڑھ بجے راولپنڈی سے بذریعہ کار مظفر آباد پہنچے۔ کوہالہ کے قریب راستہ انتہائی دشوار گزار اور بے حد ناہموار تھا جس کے باعث محترم داعی تحریک کی طبیعت کافی خراب ہو گئی۔ سیکرٹری تحریک جناب عبدالرزاق صاحب ان کے ہمراہ تھے۔ مظفر آباد میں اپر اڈا کے مقام پر جلسے کے انتظامات آخری مراحل میں تھے۔ جلسہ خلافت سے محترم داعی تحریک کو نماز عصر کے فوراً بعد خطاب فرمانا تھا لیکن نماز عصر سے تھوڑی دیر قبل تیز آندھی اور بارش کا آغاز ہو گیا جس کے باعث اپر اڈا چوک میں جلسے کا انعقاد ممکن نہ رہا چنانچہ وہاں لاؤڈ سپیکر پر اعلان کر دیا گیا کہ جلسہ اب قریبی جامع مسجد سلطانی میں منعقد ہو گا۔

داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد ہوٹل اسلام آباد میں خطاب کرتے ہوئے ——— میزبان: چودھری محمد صدیق

شدید طوفان باد و باراں کے باوجود نماز عصر کے بعد کافی تعداد میں لوگ مسجد میں جمع ہو گئے اور داعی تحریک کے خطاب کا آغاز ہو گیا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے نماز عصر کے بعد سے نماز مغرب تک اور نماز مغرب کے بعد سے نماز عشاء سے قبل تک مفصل خطاب میں نظام خلافت کے خدوخال پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اگلی صبح رنگلہ دھیرکوٹ کا پروگرام تھا لیکن داعی تحریک کی طبیعت کی اچانک ناسازی کے باعث یہ فیصلہ ہوا کہ رنگلہ کے پروگرام میں ان کی شرکت نہ ہو۔ چنانچہ موصوف اگلے روز صبح براستہ ایبٹ آباد راولپنڈی روانہ ہو گئے اور سیکرٹری تحریک مقامی ساتھیوں کے ہمراہ ڈنہ سے ہوتے ہوئے رنگلہ پہنچے۔

رنگلہ میں جلسہ کا وقت بعد نماز ظہر کا طے تھا۔ لوگ دور دور سے جلسہ میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جلسہ کا انعقاد مقامی ہائی سکول کی گراؤنڈ میں ہوا۔ نماز ظہر کے فوراً بعد جلسہ کا آغاز ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد اسٹیج سیکرٹری جناب عبدالودود صاحب نے مقامی ناظم تحریک جناب راجہ محمد اکرم خان صاحب کو دعوت خطاب دی۔ راجہ صاحب نے مختصر خطاب میں ڈاکٹر صاحب محترم کی علالت کے باعث رنگلہ نہ پہنچ سکنے پر معذرت کی۔ اس کے بعد سیکرٹری تحریک خلافت جناب عبدالرزاق صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی جنہوں نے تحریک خلافت اور مسلمانوں کی موجودہ صورت حال کے حوالے سے مفصل خطاب کیا اور

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

ہوٹل اسلام آباد کی تقریب میں حاضرین ہمہ تن گوش ہیں

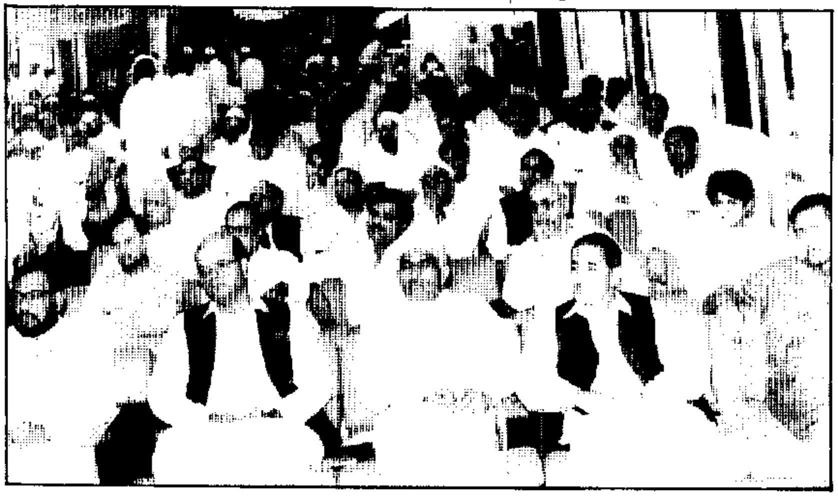

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۲۶
۵ ر جولائی ۱۹۹۳ء

11

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: ۵/- روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) ۱۰۰/- روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۸ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۲ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۱۶ " "

افتتاحیہ

وقت دعا ہے

ہمارے ملک میں اب تک سیاست کی بھینس اسی کی رہی جس کے ہاتھ میں اقتدار کی لاٹھی تھی لیکن اس طرح کسی بھی نظام حکومت کو استحکام تو حاصل نہیں ہو سکتا۔ موجودہ صدر مملکت بہت پرانے بیوروکریٹ ہیں اور انہوں نے کتنے ہی حکمرانوں کے انداز حکومت کا قریب سے مشاہدہ کیا بلکہ اکثر صورتوں میں ان کے قریب ترین مشیروں میں شامل رہے' گویا انداز جہانبانی تو ان سے سیکھے جا سکتے تھے لیکن محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ پیچیدہ صورت حال میں ان کی مہارت نے بھی عجز کا اعتراف کر لیا ہے ورنہ یہ گتھی کبھی کی سلجھ چکی ہوتی۔ دوسری طرف محمد نواز شریف صاحب کو اپنی پچھلی کارکردگی پر ملنے والے مختلف القابات سے قطع نظر' اب ایک کرشماتی شخصیت رکھنے والا مرد بحران سمجھا جاتا ہے۔ ان کو ایک اضافی سہولت یہ حاصل ہے کہ اللہ نے انہیں وہ چیز وافر مقدار میں دے دی ہے جسے پاکستان کی جدید سیاسی لغت میں "چمک" کہتے ہیں لیکن اس کا کیا کیجیے کہ ہماری کاٹھ کی سیاسی ہنڈیا جمہوریت کے چولہے پر چڑھنے کے بعد بحران کی ایک آنچ بھی برداشت نہ کر سکی۔ اہل نظر کے لئے دعوت فکر ہے کہ چھیالیس سال سے جس جمہوریت کی مالا رہنمایان قوم جپ رہے ہیں' وہ ہمیں راس آ بھی سکے گی یا نہیں!۔ خواص کا حال یہ کھلا تو عوام کتنے پانی میں ہوں گے؟۔ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔

ان سطور کو سپرد قلم کرنے سے پہلے ہم نے اخبارات میں پڑھا ہے کہ کل صدر مملکت اور وزیر اعظم کی "ون ٹو ون" ملاقات ہوئی ہے جس میں گلے شکوے تو ہوئے لیکن آخر صلح ہو گئی۔ بہت اچھی خبر ہے' بڑا مزہ اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر۔ تاہم قوم کے خیر خواہوں کو اس پیش رفت سے جو اطمینان حاصل ہونا چاہئے تھا اس کے آثار کہیں نظر نہیں آتے۔ قیافہ شناسوں نے ملاقات کے بعد جناب وزیر اعظم کو ٹی وی کی سکرین پر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے' اپنی کابینہ سے تبادلہ خیال کرتے اور پارلیمانی پارٹی کے اجلاس کی صدارت فرماتے ہوئے دیکھنے کے بعد وثوق سے کہا ہے کہ صدر سے نواز شریف صاحب کی ملاقات خوشگوار نہیں رہی کیونکہ ان کے چہرے بشرے سے بشاشت کی ذرا بھی غمازی نہیں ہو رہی تھی۔ اللہ کرے یہ اندازے غلط ہوں اور ملک و قوم اس منحوس چکر سے نکلنے کا راستہ پا لے جس میں گذشتہ تین ماہ سے سرگرداں ہے۔ ہمارے سیاسی نظام کی چولیں ہل گئیں ہیں' معیشت کی طرف سے خطرے کے سگنل موصول ہو رہے ہیں اور دنیا کے سامنے ہماری جو تصویر آئی اس نے رہی سہی عزت سادات کا بھی جنازہ نکال دیا ہے۔ ہمیں امریکہ کی طرف سے مزاحمت اور بھارت کی مخاصمت کا سامنا ہے جس کے مقابلے میں ہمیں ایک مضبوط موقف پر ڈٹ جانے کی ضرورت تھی۔ عالم اسلام کے مسائل میں دست تعاون دراز کرنے' اپنے گرتے پڑتے پڑوسی افغانستان کو تھامنے اور بوسنیا جیسے علاقوں میں مظلوم مسلمانوں اور سب سے بڑھ کر کشمیری بھائیوں کی دادرسی کے قابل ہونے کے لئے ضرورت اس وقت یہ تھی کہ ہم اپنے پیروں پر جم کر کھڑے ہوتے لیکن حیف کہ اب تک ہم اپنا بوجھ بھی اٹھانے کے قابل نہ ہو سکے' لڑکھڑا رہے ہیں۔

ملکی سیاست کا یہ بحران جو محاذ آرائی سے بڑھ کر دو فریقوں میں کھلی جنگ میں تبدیل ہو گیا ہے' ہماری اپنی غلطیوں کا نتیجہ ہے جن کا خمیازہ آخر ایک روز ہمیں بھگتنا ہی تھا۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
نہیں کرتی مگر ملت کے گناہوں کو معاف

یہ غلطیاں کس کس سے سرزد ہوئیں' اس موضوع پر بحث اب وقت کا ضیاع ہے۔ ہم میں سے ہر شخص اور درحقیقت پوری قوم اس جرم میں برابر کی شریک ہے چنانچہ سب کو اپنی اپنی جگہ سوچنا ہو گا کہ غلطیوں کے ازالے کی کیا صورت کی جائے۔ کوئی کچھ بھی کہے' ہمارا تو ایمان ہے کہ ہم اس وعدہ خلافی کی سزا بھگت رہے ہیں جو ہم نے اپنے رب سے کی اور گلو خلاصی کی واحد شکل یہ ہے کہ ہم اسی کی طرف رجوع کریں لیکن اس سے مدد طلب کرتے ہوئے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر توبۃ النصوح کی ضرورت ہے۔ اپنے پچھلے کرتوتوں پر صحیح معنوں میں پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے اور آئندہ کے لئے بندگی رب کے تقاضے پورے کرنے کے مخلصانہ ارادے کے ساتھ ہمیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ ہمارے لئے اس بحران سے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے ورنہ ہماری تو سب تدبیریں الٹی ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ ○○

الہدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرہ (آیت ۱۵۸)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

بے شک صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں تو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ ادا کرے تو اس پر کوئی حرج نہیں کہ ان کا طواف کرے

(صفا اور مروہ بیت اللہ کے نزدیک دو پہاڑیاں ہیں جن کا طواف کرنا اور ان کے درمیان دوڑنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد ہی سے مناسک حج میں شامل تھا۔ مرور زمانہ کے سبب سے یہ پہاڑیاں اب محض برائے نام ٹیلوں کی صورت میں ڈھل چکی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس زمانے میں ہوئی اس وقت مشرکین عرب نے جہاں توحید کے مرکز بیت اللہ کو بتوں کی نجاست سے آلودہ کر رکھا تھا وہاں صفا اور مروہ پر بھی 'اساف' اور 'نائلہ' نامی بتوں کے استھان بنا رکھے تھے اور اہتمام کے ساتھ ان کا طواف کیا جاتا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں جب وادی بطحا میں خورشید ہدایت طلوع ہوا اور ایمان و اسلام کی روشنی نے ماحول کو منور کیا تو مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ سوال سر اٹھانے لگا کہ آیا صفا اور مروہ کے مابین سعی کرنا حج اور عمرے کے حقیقی مناسک میں شامل ہے یا دور جاہلیت کا گمراہ کن اضافہ ہے۔ یہ خلجان اگرچہ تمام مسلمانوں کو پریشان کئے دے رہا تھا لیکن اہل مدینہ کا معاملہ اس اعتبار سے خاص تھا کہ ان کے دلوں میں سعی بین الصفا و المروہ کے بارے میں پہلے ہی سے کراہت موجود تھی۔ وہ مناۃ کے معتقد تھے اور اساف و نائلہ کو معبودوں کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ان تمام شبہات اور غلط فہمیوں کا یہاں ازالہ فرما دیا گیا کہ صفا اور مروہ درحقیقت شعائراللہ میں سے ہیں' ان کے مابین سعی کرنا نہ صرف یہ کہ عمرے کے اصلی مناسک میں شامل ہے بلکہ ان کی تعظیم و احترام اسی طرح واجب ہے جسے کہ دیگر شعائراللہ مثلاً بیت اللہ اور قربانی کے جانوروں کا واجب ہے۔ باقی جہاں تک ان دو بتوں کا تعلق ہے جو ان دو مقدس مقامات پر نصب کئے گئے ہیں تو اے مسلمانو یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم بیت اللہ اور صفا و مروہ سے گندگی و نجاست کے اس ڈھیر کو ہمیشہ کے لئے ہٹا کر ان شعائر کو اس طور سے از سرنو اجاگر کرو کہ ان کے سعی و طواف صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہو جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے تمہیں جہاد و قتال بھی کرنا ہو گا اور صبر و مصابرت کے مراحل سے بھی گزرنا ہو گا اور اسی میں تمہاری استقامت کا اصل امتحان مضمر ہے!)

اور جو کوئی اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو اللہ قدردان ہے' سب کچھ جاننے والا ○

(کہ ایک تو حج اور عمرہ وہ ہے جو ادائے فرض کے طور پر انجام دیا جائے' دوسرے اس پر مستزاد نفلی عبادت کے طور پر بھی حج اور عمرہ ادا کئے جا سکتے ہیں۔ تو جو کوئی یہ اضافی نیکی کرے وہ مطمئن رہے کہ اس کا یہ عمل اللہ کے علم میں ہے اور وہ اس کی اس نیکی کو شرف قبول عطا فرمائے گا!)

جوامع الکلم

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر لڑتا رہے گا اور غالب رہے گا ان سب پر جو ان سے دشمنی کریں گے' یہاں تک کہ اس گروہ کا آخری حصہ مسیح دجال کے خلاف قتال کرے گا۔

(ابو داؤد بروایت حضرت عمرانؓ بن حصین)

ہماری مجلس شوریٰ کے ایوان بالا کی "ترکیب نحوی"

سینٹ میں کون کس کا ہے

دستور کی آٹھویں ترمیم کو یہاں بھی دو تہائی اکثریت کے بغیر بدلا نہیں جا سکتا

اگلے چند مہینوں میں وزیراعظم نواز شریف دستور کو آٹھویں ترمیم سے نجات دلانے کی ایک آخری کوشش کے لئے پر تول رہے ہیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے انہیں قومی اسمبلی اور سینٹ میں دو تہائی اکثریت کی ضرورت ہے جبکہ وزیراعظم کو صرف قومی اسمبلی میں بھی تھوڑا سا ہی عددی تفوق حاصل ہے۔ چنانچہ اپنی قوت بڑھانے کے لئے وہ پی پی پی اور حزب اختلاف کی دوسری جماعتوں کو شیشے میں اتارنے کا کام شروع کر چکے ہیں۔ سال رواں کے آغاز میں ان کی طرف سے ایسی ایک کوشش کا ڈول ڈالا گیا تھا لیکن وہ اپنی اسمبلی سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایک بار پھر وہ صدر مملکت سے فیصلہ کن اختیار چھیننے کی خواہش میں بہت عجلت سے کام لیتے نظر آ رہے ہیں۔

لیکن صورت حال کا یہ رخ توجہ طلب ہے کہ جناب نواز شریف کسی نہ کسی طرح قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت کی حمایت حاصل کر لیں تب بھی ایوان بالا میں ان کی امید بر آنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ہماری سینٹ کا ماحول اور اس کا مزاج قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ماحول اور مزاج سے بہت مختلف ہے۔ ماسوائے چند ایک کے' ان کی سیاسی وفاداری کو تبدیل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ جن سیاسی جماعتوں نے انہیں سینٹ میں بھیجا ہے انہوں نے احتیاط برتی تھی کہ نسبتاً زیادہ مستقل مزاج لوگوں کو اس ایوان میں بھیجا جائے۔

ہر صوبے کی طرف سے ایوان میں ۱۹ سینیٹر آئے ہیں جبکہ ۸ کو وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقوں نے بھیجا اور تین کا تعلق وفاقی دارالحکومت اسلام آباد سے ہے۔ یوں میزان کل ۸۷ بنا لیکن سندھ کی ایک نشست تاحال خالی ہے جو پیر سید محمد شاہ گیلانی کے انتقال سے خالی ہوئی تھی۔

ہمارے تجزیئے کے مطابق ۸۷ سینیٹروں کی سیاسی وابستگیوں کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

نواز شریف کے حامی

پنجاب کے سینٹروں میں جو میاں نواز شریف کے حامی ہیں' میاں عالم علی لالیکا شامل ہیں جو وفاقی وزیر اطلاعات عبدالستار لالیکا کے چچیرے ہیں۔ یہ صاحب ایوان میں حکومت کے خلاف تیز و تند تقریریں کر لیتے ہیں لیکن رائے دہی کا سوال پیدا ہوا تو وہ میاں نواز شریف کے حامی ہوں گے۔

خواجہ محمد آصف جو پرانے مسلم لیگی خواجہ صفدر مرحوم کے صاحبزادے ہیں اور انہی کی خواہش پر سینٹ میں لئے گئے تھے' اس نامزدگی کے وقت مشرق وسطیٰ میں ایک بینک کی ملازمت کر رہے تھے۔ وہ وزیراعظم کی لابی میں "شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار" سمجھے جاتے ہیں

راجہ افضل جن کا تعلق جہلم سے ہے' اگرچہ اپنے علاقے کے لوگوں کی پسندیدہ شخصیت نہیں ہیں تاہم ان کا شمار نواز شریف کے مضبوط حامیوں میں ہوتا ہے۔ راجہ صاحب پنجاب کے موجودہ گورنر کے نمایاں ترین حریف ہیں۔ انہیں ۱۹۸۵ء کے عام انتخابات میں نااہل قرار دے دیا گیا تھا کیونکہ ان کے شراب نوشی کے پرمٹ کو الیکشن کمیشن کے افسر مجاز کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا۔

جناب ذکی الدین پال جو ایک ریٹائرڈ جج ہیں حال ہی میں محمود احمد منٹو کی نشست پر منتخب ہوئے۔ وہ ایوان میں وزیراعظم کے دست راست سمجھے جاتے ہیں۔ پال صاحب ایک پرانے مسلم لیگی ہیں لیکن قانون کی منشاء کو اپنے لیڈر کے حق میں موم کرنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔

جنرل (ریٹائرڈ) سعید قادر وزیراعظم کے نجکاری کمیشن کے سربراہ ہیں۔ بینک دولت پاکستان کے ایک سابق گورنر عبدالقادر شیخ کے یہ قابل فرزند فوج کے انجینئرز کور سے تعلق رکھتے تھے جہاں انہوں نے نیشنل لاجسٹک سیل (این ایل سی) کو ایک

ہماری تو پرواز ہی ان فضاؤں میں نہیں جہاں پر جلتے ہیں' اردو صحافت یعنی "دیسی" اخبار نویسی کو بھی بالعموم اتنا اونچا اڑنے کی ہمت نہیں ہوتی جہاں تک انگریزی صحافت یعنی "ولایتی" وقائع نگاری کی رسائی ہے۔ لاہور کے انگریزی ہفت روزے "دی فرائڈے ٹائمز" نے اپنی اشاعت (24 تا 30 جون) میں سینٹ کے اجزائے ترکیبی کا ذکر کرتے ہوئے ہمارے عزت ماب سینیٹروں کے رجحانات کے بارے میں [illegible] گستاخیاں کی ہیں اور تجزیئے کے تیور بتاتے ہیں کہ لکھنے والے کو اپنی باتوں کی صداقت پر پورا اعتماد بھی ہے۔ اس تجزیئے کو اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ جھوٹ سچ کا عذاب و ثواب موقر ہفت روزے کے وقائع نگار کا حصہ ہے' ہم صرف ترجمے کے گناہگار ہیں

—— مدیر

متحرک قوت بنا دیا۔ انہیں جنرل ضیاء کی کابینہ میں وزیر پیداوار بنا دیا گیا تھا جہاں سے انہوں نے بیینہ طور پر بہت مال بنایا اور اپنی موجودہ حیثیت کو بھی اس غرض کے لئے خوب استعمال کیا ہے۔ سیاسی طور پر میاں نواز شریف سے ان کی وابستگی شک و شبہ سے بالا ہے۔

سید برکات شاہ کا سیاسی تعلق جمعیت العلمائے پاکستان (نیازی گروپ) سے ہے اور خاندانی تعلق جلال پور شریف کے پیر خانوادے سے۔ ان کا رشتہ راجہ غضنفر علی خاں کی ننھیال سے بھی جڑتا ہے۔

راجہ ظفرالحق جنرل ضیاء الحق کی کابینہ میں وزیر اطلاعات تھے اور اسی بناء پر محمد خان جونیجو کو بھی انہیں اپنا مشیر بنانا پڑا۔ ان دنوں وہ ویانا میں اقوام متحدہ کی حقوق انسانی کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ وہ موتمر عالم اسلامی کے عہدیدار بھی ہیں۔ راجہ ظفرالحق کے نام کے ساتھ بدعنوانی کا کوئی سکینڈل وابستہ نہیں ہے تاہم بظاہر کسی ہیرا پھیری کے بغیر بھی وہ اپنے ایک چچازاد راجہ انوارالحق کے ساتھ مل کر اسلام آباد میں چار پلازوں کے مالک بننے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ کبھی بھی کسی منصب کے لئے منتخب نہیں ہوئے لیکن ضیاء الحق کے دور سے لے کر اب تک کسی سرکاری عہدے کے بغیر بھی نہیں رہے۔

سید عباس شاہ جن کا تعلق صوبہ سرحد سے ہے، ہمیشہ وزیر بننے کے مشتاق رہے۔ وہ اگرچہ بلحاظ پیشہ ایک اوور سیئر ہیں لیکن بنوں میں ایک شوگر مل ان کی ملکیت ہے۔ وہ مسلم لیگی ہیں اور دل و جان سے نواز شریف کے ساتھ۔

جناب فدا محمد خاں (صوبہ سرحد) اگرچہ نجی محفلوں میں نواز شریف پر تنقید کرتے ہیں لیکن کسی بھی صاحب اقتدار کے لئے ان کی حمایت حاصل کر لینا کوئی مشکل کام نہیں۔ ۱۹۸۸ء میں نواز شریف نے انہیں پاکستان مسلم لیگ کا صدر منتخب کروا دیا تھا اور وہ تاحال انہی کی لابی میں ہیں۔

جناب بشیر احمد مٹا (صوبہ سرحد) عبدالخالق خان کی وفات پر حال ہی میں سینٹ میں داخل ہوئے ہیں۔ وہ صوبہ سرحد کی عوامی نیشنل پارٹی کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ ان کا تعلق متوسط طبقہ سے ہے اور وہ اپنی پارٹی سے بھی وفا کا رشتہ استوار رکھتے ہیں چنانچہ وہ نواز شریف کے ساتھی ہیں۔

سرحد ہی سے اخونزادہ بہرور سعید پاکستان مسلم لیگ (جونیجو گروپ) کے فدائی سمجھے جاتے تھے اور اسی وجہ سے جنرل سیکرٹری اقبال احمد خان نے انہیں سینٹ کا ٹکٹ دلوانے پر اصرار کیا لیکن ایوان میں نشست کے حصول کے فوراً بعد وہ نواز شریف کیمپ میں چلے گئے۔

سرحد ہی کے جناب محمد علی خان ہوتی بھی پرانے مسلم لیگی ہیں۔ وہ صدر ایوب خان کی کابینہ میں وزیر رہے ہیں۔ عبدالغفور خان ہوتی کے ازلی مخالف ہونے کی وجہ سے وہ نواز شریف کے ساتھ ہیں الا یہ کہ وہ اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔

سوات سے جناب فتح محمد خان سینٹ کے ڈپٹی لیڈر افضل خان کے پکے حریف ہیں اور اسی بنا پر نواز شریف کے ساتھ ہیں۔

جناب ابراہیم خان بھی نواز شریف کے حامی ہیں۔ جناب شہزاد گل اور سید مزمل شاہ کا تعلق عوامی نیشنل پارٹی سے ہے چنانچہ وہ نواز شریف کے ووٹر ہیں۔ ان تینوں کا تعلق بھی صوبہ سرحد سے ہے۔

سندھ کے سید مظفر علی اور جناب بوستان علی ہوتی نواز شریف کے آدمی ہیں۔

جناب نواز شریف کو جام یوسف کے ایک قریبی دوست جناب عبدالحمید بلوچ، جناب صوبیدار خان مندوخیل، سید احسان شاہ اور جناب یحیٰی بختیار کی حمایت بھی حاصل ہے۔ یہ سب بلوچستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے ملک محمد حیات وفاقی وزیر ملک نعیم کے ماموں ہیں اور جناب سرتاج عزیز کابینہ میں وزیر ہیں۔

میاں نواز شریف کے ان حامیوں کی تعداد ۲۴ بنتی ہے۔

صدر مملکت کی قوت

جناب اقبال احمد خان جن کا تعلق پنجاب سے ہے، پاکستان مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری اور مرحوم جونیجو کے معتمد تھے۔ اب وہ حامد ناصر چٹھہ کے خاص آدمی ہیں۔ وہ صدر مملکت اور وزیراعظم کے درمیان اختیارات کی عادلانہ تقسیم کے علم بردار ہیں۔

ڈاکٹر بشارت الٰہی (پنجاب) جناب اعجازالحق کے ماموں اور ڈاکٹر انوارالحق کے خسر ہیں۔ پہلے وہ نواز شریف کے ساتھی تھے، اب صدر مملکت کے ساتھ ہیں۔

پنجاب کے مخدوم حمیدالدین رحیم یار خاں کے رہنے والے مسلم لیگی ہیں۔ ان کا ایک بیٹا پیپلز پارٹی کے ساتھ ہے۔

مہر خدا داد خاں لک (پنجاب) پی پی پی کے سینٹر ہیں اور احسان الحق پراچہ گروپ میں شامل ہیں۔ ان کا ووٹ صدر کے حق میں جائے گا۔

پنجاب کے خواجہ حمیدالدین سیالوی خدا بخش ٹوانہ کے حلقہ احباب میں ہیں۔ وہ سینٹ میں کبھی کبھار ہی دکھائی دیتے ہیں۔ بحالات موجودہ وہ غالباً صدر مملکت کا ساتھ دیں گے۔

جناب ظہورالحق (صوبہ سرحد) ایک معروف قانون دان ہیں اور عوامی نیشنل پارٹی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ آج کل وہ صوبہ سرحد کی اسمبلی کے ٹوٹنے کے مقدمہ میں صوبائی ایڈووکیٹ جنرل کی معاونت کر رہے ہیں۔

صوبہ سرحد ہی کے جناب گلزار احمد خان کا تعلق پی پی پی سے ہے۔ وہ بینظیر بھٹو کے بہت قریب رہے ہیں چنانچہ ان کا ووٹ نواز شریف کے خلاف جائے گا۔

جناب محمد رضا خان مانسہرہ کے رہنے والے ہیں اور پکے لیکن خاموش طبع آدمی ہیں۔

جناب انور سیف اللہ خان (صوبہ سرحد) صدر مملکت کے داماد ہیں۔ وہ سابق سی ایس پی افسر ہیں اور ان کی والدہ، بیگم کلثوم پاکستان مسلم لیگ کے شعبہ خواتین کی سربراہ ہیں۔ ان کے ایک بھائی کی شادی جناب گوہر ایوب کی صاحبزادی سے ہوئی ہے اور جنرل ریٹائرڈ حبیب اللہ خان جو گوہر ایوب صاحب کے خسر بھی ہیں، انور سیف اللہ کے حقیقی چچا ہیں۔ اسلم خٹک بھی ان کے چچا ہیں جن کی ایک بیٹی نواب محسن علی خان سے بیاہی گئی ہیں۔ نواب صاحب نواز شریف کے پرجوش حامیوں میں شامل ہیں اور اسی وجہ سے وزیراعلیٰ سرحد میر افضل خان نے انہیں اپنی کابینہ سے نکال باہر کیا۔ جناب انور سیف اللہ کے صدر مملکت کا ووٹ ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

صوبہ سرحد کے مولانا سمیع الحق شریعت بل کے معماروں میں شامل اور مولانا عبدالحق مرحوم کے صاحبزادے ہیں۔ وہ جمعیت علماء اسلام میں اپنے گروپ کے سربراہ بھی ہیں۔ جب سے مولانا مادام طاہرہ کے مشہور جنسی سکینڈل میں ملوث کئے گئے تب سے وہ نواز شریف کے کٹر مخالفوں میں سے ہیں۔ مادام طاہرہ کا بیان جو زیر دفعہ ۱۶۴ حاصل کیا گیا تھا،

تاحال سیل بند لفافے میں موجود ہے۔ نواز شریف نے آٹھویں ترمیم میں شامل کسی اسلامی دفعہ کو ہاتھ بھی لگایا تو مولانا سمیع الحق کا ووٹ ان کے خلاف ہو گا۔

صوبہ سرحد ہی سے جناب خلیل الرحمٰن بحریہ کے ایک سابق کمانڈر ہیں جو صدر مملکت کا اب بھی احترام کرتے ہیں اور اقتدار کے دونوں مراکز کے درمیان قوت کا توازن چاہتے ہیں۔

پیر سید مردان شاہ پگاڑہ سندھ کے سینٹروں میں اچھا بھلا رسوخ رکھتے ہیں۔ جناب حسن اے شیخ' جناب حاجی محمد ابراہیم ہنگورجا' جناب سلطان علی لاکھانی اور جناب سید ذوالفقار علی شاہ جاموٹ پیر صاحب کے گروپ میں ہیں اور صدر مملکت کی حمایت کریں گے۔

سید اقبال حیدر' میر امیر خان مگسی اور سید عبداللہ شاہ سندھ کی پیپلز پارٹی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ایم کیو ایم الطاف حسین گروپ کے سینٹ میں تین ووٹ ہیں۔ ان کے نمائندوں کے نام سید اشتیاق اظہر' سید علی حیدر اور جناب زاہد اختر ہیں۔ یہ سب فی الحال نواز شریف مخالف گروپ میں ہیں۔

سندھ کے جتوئی سینٹ میں اپنی الگ قوت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالغفور جتوئی غلام مصطفٰی جتوئی کے بڑے بھائی ہیں۔ جام خیرالدین کا تعلق نیشنل پیپلز پارٹی سے ہے جبکہ جناب اعجاز علی جتوئی کا جئے سندھ سے۔

نواب اکبر بگٹی کی جمہوری وطن پارٹی کا سینٹ میں ایک مضبوط گروپ ہے۔ اس کے تمام ارکان جن میں میر نبی بخش ڈومکی' میر عبدالجبار' سردار بشیر احمد خان ترین اور جناب منظور احمد کچکی شامل ہیں' سب صدر مملکت کے حلقہ ارادت میں ہیں۔

ڈاکٹر نور جہاں پانیزئی ڈپٹی چیئرپرسن' سید فصیح اقبال' میر ہدایت اللہ' میر سہراب خان کھوسہ' سردار محمد یوسف خان ساسولی' شیخ ظریف خان مندوخیل اور جناب عبدالرحمان خان سب بلوچستان سے ہیں اور صدر مملکت کے حامی۔

جناب عبدالرحمان جمالی (بلوچستان) جو جناب ظفراللہ خان جمالی کے چھوٹے بھائی اور تاج جمالی کے چچیرے ہیں' غالباً صدر کی حمایت کریں گے۔

حافظ حسین احمد (بلوچستان) جمعیت علماء اسلام فضل الرحمان گروپ میں شامل اور صدر کے ساتھی ہیں۔

غیر یقینی ووٹ سب نواز شریف صاحب کو مل جائیں تب بھی دو تہائی چھوڑ' نصف ایوان ان کا نہیں ہے

وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقے کے آٹھ سینٹر صدر کے ساتھ ہیں۔

جناب طارق چوہدری (اسلام آباد) صدر کے پرجوش نقیب ہیں۔

صدر کے حامی سینٹروں کی کل تعداد ۴۷ بنتی ہے۔

غیر یقینی

جناب وسیم سجاد (پنجاب) چیرمین سینٹ لاہور کے ایک قابل قانون دان ہیں جنہوں نے بڑی خوبی سے اپنی غیر جانبداری کو برقرار رکھا ہے' محفلوں میں بھی متنازع امور میں الجھنا پسند نہیں کرتے۔

مخدوم سید اسرار حسین شاہ (پنجاب) جناب یوسف رضا گیلانی کے خسر اور ایک ماڈرن پیر ہیں۔ ان کے قریبی عزیزوں سمیت کسی کے لئے بھی ان کی سیاسی وابستگی کے بارے میں کوئی پیش گوئی کرنا ممکن نہیں۔ پیر صاحب ان دنوں مری میں ایک ہوٹل تعمیر کروا رہے ہیں۔

پنجاب سے پروفیسر خورشید احمد جماعت اسلامی کے سربرآوردہ قائدین میں سے ہیں۔ یہ اپنی جماعت کی پالیسی پر چلیں گے جو فی الحال صدر اور وزیراعظم کے باہمی جھگڑے میں غیر جانبداری کی ہے۔

جناب آصف فصیح الدین وردگ (پنجاب) ایک سابق افسر ہیں۔ انہوں نے پہلے تحریک استقلال میں شرکت کی اور پھر پاکستان مسلم لیگ میں چلے آئے جہاں بطور چیف آرگنائزر وہ ۱۹۸۸ء میں نواز شریف کے دست راست تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس دوران بھاگ دوڑ کرتے ہوئے ایک بار وہ ایک بڑی رقم سے بھرے ہوئے تھیلے سمیت غائب ہو گئے جو ہارس ٹریڈنگ کی غرض سے ان کے حوالے کی گئی تھی۔ انہیں مبینہ طور پر چونیاں میں سینکڑوں ایکڑ زرخیز زرعی زمین بھی الاٹ ہوئی۔ وہاں سے نکل کر وہ صدر کے آدمی بن گئے۔ وہ اس معرکے میں کس طرف نظر آئیں گے' اس کا انحصار اس پر ہے کہ کس طرف سے پیشکش زیادہ دلکش ہوتی ہے۔

پنجاب کے مخدوم سید حامد رضا گیلانی مسلم لیگ کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ وہ کسی بھی طرف جا سکتے ہیں۔ انہیں اپنا رخ متعین کرنے کے لئے شاید لاہور ہائیکورٹ کے فیصلے کا انتظار ہو۔

ملک محمد علی (پنجاب) کے بارے میں خیال ہے کہ وہ صدر کے آدمی ہیں لیکن قصور کی مقامی سیاست میں سردار آصف کا حریف ہونے کی بنا پر وہ مخالف کیمپ میں ہوں گے۔

قاضی حسین احمد (صوبہ سرحد) جماعت اسلامی کے امیر ہیں۔ بذات خود وہ نواز شریف پر نکتہ چینی میں بہت شدت پسند ہیں لیکن ان کی جماعت اکثر صورتوں میں نواز شریف صاحب کو تقویت ہی دیتی ہے۔ جماعت نے تاحال کسی ایک طرف اپنا وزن ڈالنے کا فیصلہ نہیں کیا۔

ارباب نور محمد خان (صوبہ سرحد) لاہور ریس کلب کے صدر ہیں۔ انہیں اختلافات اور متنازع امور سے کوئی غرض نہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو پنجاب کے دارالحکومت لاہور کی خوش فعلیوں میں مصروف رکھتے ہیں اور "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" کے قائل ہیں۔ ان کے اگرچہ نواز شریف کے خاندان سے قریبی مراسم ہیں تاہم انہیں صدر کا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ ویسے کسی کو خبر نہیں کہ وقت پڑنے پر وہ کس کے ساتھ ہوں گے۔

مخدوم خلیق الزمان (سندھ) مخدوم امین فہیم کے بھائی ہیں لیکن چونکہ ان کی سیدہ عابدہ حسین سے بھی قربت ہے لہٰذا نواز شریف کی مدد کو آسکتے ہیں۔

سید شفقت حسین شاہ (سندھ) غالباً جیتنے والے گھوڑے پر داؤ لگائیں گے۔

جناب طارق حسین مگسی (بلوچستان) تاحال کسی فیصلے پر نہیں پہنچے۔

نتیجہ

۴۷ سینٹروں کی حمایت رکھنے والے صدر مملکت کے خلاف دو تہائی اکثریت کا حصول جناب نواز شریف کے لئے امر محال ہے۔ اس تجزیے میں غیر یقینی سمجھے جانے والے سینٹر بھی اگر اپنا وزن نواز شریف کے پلڑے میں ڈال دیں تب بھی ان کے حامیوں کی تعداد ۳۵ بنے گی جو ایوان کے اراکین کی موجودہ تعداد کا نصف بھی نہیں بنتی۔ ○○

ایک سیمینار جس کا مقصد گتھی کو سلجھانا نہیں' الجھانا تھا

اسلام میں ربوٰ کا تصوّر

سیمینار کی اس نشست کی روداد جو اخبارات میں رپورٹ نہیں ہوئی

وقائع نگار

سرکاری سیمینار کی جس نشست کی روداد ہمارے وقائع نگار نے سپرد قلم کی ہے' اس کا ذکر اخبارات میں نظر نہ آیا جبکہ دونوں دنوں کی کئی اور مجالس کو بڑے اہتمام سے رپورٹ کیا گیا ہے۔ فرق یہ تھا کہ اول الذکر میں معترضین کو دندان شکن جواب دیا گیا تو ثانی الذکر میں ترقی پسند دانشوروں کو سود کی حرمت کا خاکہ اڑانے کا بھرپور موقع ملا تھا اور مقصد اس صرف کثیر کا یہی تو تھا کہ اس مسئلے کو چیستاں ظاہر کیا جائے جو بغیر "جرات مندانہ" اجتہاد کے حل نہیں کیا جاسکتا۔ (مدیر)

۲۶ جون کو یہ' اسلام میں ربوا کے تصور' بین الاقوامی اقتصادی نظام کی جدید بینک کاری میں اس کے نفوذ اور متعلقہ امکانات و مسائل پر قومی سیمینار کی ایک نشست تھی۔ سیمینار کا اہتمام حکومت پاکستان کے کیبنٹ ڈویژن کے ایماء پر ایک پرائیویٹ مینیجمنٹ فرم نے کیا اور ظاہر ہے کہ اخراجات کے لئے کوئی موٹی رقم وصول کی ہوگی۔ مرکزی وزیر مملکت برائے سیاسی امور۔۔۔ عبداللہ غازی نے افتتاحی اور اختتامی نشستوں سے خطاب کیا اور ہردو مواقع پر علی الاعلان اپنی کم علمی اور "کم خواندگی" کا اعلان کیا جبکہ موضوع زیر بحث پر ان کے خیالات بالکل وہی ہیں جو ایک سابق وزیر آصف احمد علی کے ہیں۔ اس سیمینار کے ذریعے غالبًا دو دن کی چار نشستوں میں مختلف الخیال اور خاص طور پر شیعہ سنی اور سکہ بند مذہبی علماء کے ساتھ دانش گزیدہ علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے سامعین کو اور پھر اخباری رپورٹوں کے ذریعے عام تاثر یہ پھیلانا تھا کہ علمائے کرام سود کے مسئلے پر ایک رائے نہیں رکھتے۔ اس لئے یہ متنازعہ مسئلہ ہے۔ ہوٹل پرل کانٹی نینٹل لاہور میں جس ایک نشست کا ذکر ہے اس میں مبصرین صرف ایسے حضرات تھے جو اسلام' اقتصادیات اور تحریک پاکستان کے پس منظر تک سے ناواقف تھے جبکہ سنجیدہ علمی سیمینار کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس میں مبصرین نہ صرف موضوع زیر بحث پر نظر رکھتے ہوں بلکہ صاحب رائے بھی ہوں۔

پہلا مقالہ جو سیمینار کی اس نشست میں پیش کیا گیا' پروفیسر حیدر کرار کا تھا جو خود نہیں آئے بلکہ تحریری شکل میں اپنا مقالہ بھیجا۔ پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کے پروفیسر مہدی حسن نے بصد مشکل مقالہ پڑھ کر سنایا جبکہ اکثر الفاظ پر وہ اٹک اٹک جاتے تھے۔ پروفیسر کرار نے اپنے مقالہ میں قرآن کی آیات کے حوالے سے ربوا کو معین کیا کہ یہ رقم لگا کر اس پر نفع کمانے کی شکل ہے اور قرآن مجید میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ربوا کو جاری رکھنا اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق خوشحالی کو کبھی بھی دولت کے جمع ہونے کے پیمانے سے نہیں ناپا جاتا بلکہ انسانی فلاح و بہبود کے پیمانے سے ناپا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ربوا کسی ضرورت مند کی ضرورت سے فائدہ اٹھاکر رقم کے ذریعے اس کا استحصال کرنا ہے۔ ربوا کی تعریف تو کہیں نہیں کی گئی لیکن قرآن کی ہدایات کے ذریعے ہم اس کا مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ربوا کوئی وقتی غلطی نہیں تھی بلکہ یہ معاشرے کی ایک مستقل غلطی تھی اور اس کے دو لازمی عناصر جو اسلامی تعلیمات سے سامنے آتے ہیں' وہ زیادہ سے زیادہ دولت کی ہوس اور دولت کے ذریعے دوسروں کا استحصال کرنا ہے۔ یہ دو برائیاں بینکوں کے نظام کو خراب کر رہی ہیں۔ تاہم انہوں نے واضح طور پر کسی عملی تدبیر یا خاکے کا حوالہ نہیں دیا۔

اس کے بعد پروفیسر سجاد رضوی صاحب کو دعوت سخن دی گئی۔ انہوں نے فرمانا شروع کیا کہ میں اس موضوع پر صرف اس لئے کچھ کہہ رہا ہوں کہ قرآن مجید نے جگہ جگہ یہ فرمایا ہے کہ تم سوچتے کیوں نہیں۔ سقراط نے کہا ہے کہ جو بھی اصطلاح ہو اس کی وضاحت ہونی چاہئے تاکہ پتہ چلے کہ اس سے مراد کیا ہے۔ ایک حکیمانہ قول ہے کہ "کلم الناس بقدر عقولہم" یعنی لوگوں کے ذہنی معیار کے مطابق بات کرو۔ جب قرآن مجید نازل ہوا تو اس وقت کوئی سکہ رائج تھا ہی نہیں' صرف اجناس کا لین دین تھا۔ (بعد میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اگر سکہ تھا ہی نہیں تو حدیث میں درہم اور دینار کا ذکر کس چکر میں آیا ہے؟) رضوی صاحب نے فرمایا کہ سعودی عرب والے بینک کے منافع کو "فائدہ مصرفیہ" کا نام دیتے ہیں یعنی ساڑھے تیرہ فیصد فائدہ مصرفیہ سالانہ ملتا ہے۔ انہوں نے قرض کی تعریف کی کہ ایک شخص دوسرے سے قرض لیتا ہے تو وہ دونوں ایک دوسرے کو جاننے والے ہوتے ہیں اور اعتماد کی بنیاد پر قرض لیتے ہیں۔ اصل میں بنیادی خرابی استحصال ہے جس کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں رخنے رکھے ہیں تاکہ مختلف معاشرے ان کو اپنے حالات کے مطابق ڈھال لیں۔ زمانہ بدل جاتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ شریعت کو بھی بدلنا ہوگا۔ تاہم بنیادی

تعلیمات اور سرچشمہ ہدایت سے واقفیت ہونی چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ تمام مذہبی جماعتوں کے بینکوں میں اکاؤنٹ ہیں اور وہ منافع بھی لیتی ہیں جس سے ان کی تحریک چلتی ہے گویا پہلے دونوں مقررین کے مقالوں یا تقاریر کا خلاصہ یہ تھا کہ اصل چیز استحصال ہے جس کو روکنا ہے ورنہ نئے زمانے کے مطابق اسلامی نظام کو بھی ڈھالا جا سکتا ہے جبکہ انہوں نے بینکوں کے سود کی حرمت کی بات نہیں کی۔

اس کے بعد جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے سجاد رضوی صاحب کی اس بات کی کہ تمام مذہبی جماعتوں کے بینکوں میں اکاؤنٹ ہیں اور وہ نفع لیتی ہیں، سختی سے تردید کی اور کہا کہ جمعیت علمائے پاکستان بالکل سود نہیں لیتی اس کے فنڈ کرنٹ اکاؤنٹ میں جمع ہوتے ہیں۔ اس وضاحت کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس بات کی کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ اتنا تردد کرتے ہیں کہ سود پر سیمینار منعقد کرتے ہیں اور اتنی بحثیں ہوتی ہیں جبکہ ربوا اور سود کا نظام اتنے عرصے سے چل رہا ہے اور کامیابی سے قائم ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ اسلامی نظریاتی کونسل میں زیر بحث آیا اور پھر وفاقی شرعی عدالت نے فیصلہ دیا، پھر بھی یہ بحث جاری ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ سود کے بارے میں بہت بڑی وعید آئی ہے اس لئے مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ کہا جائے گا تم اللہ کے واضح احکامات کی خلاف ورزی کرتے ہو ورنہ ربوا کے بارے میں علمی حلقوں کی طرف سے کسی بنیادی اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ اس بارے میں قرآن کی آیات محکمات کا درجہ رکھتی ہیں۔ **(اصل میں یہ جواب تھا سجاد رضوی کی بحث کا کہ ربوا کا مطلب ہی واضح نہیں کہ یہ کیا ہے!)**

انصاری صاحب نے اس نزاع کی وجہ یہ بتائی کہ علمائے دین اور دانشور اپنی اپنی جگہ اس مسئلہ کی سمجھ رکھنے کے باوجود آپس میں متفق نہیں اور ان کو ایک دوسرے کے طرز معاشرت سے چڑ ہے۔ علمائے دین کو دانشوروں سے چڑ ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب یہاں سٹیج پر تشریف لاتے ہیں تو دونوں کا انداز ہی مختلف ہوتا ہے، علمائے دین بات کا آغاز بسم اللہ سے کرتے ہیں جبکہ دانشور بغیر اللہ کے نام سے شروع ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دین اسلام کی اساس ہی یہ ہے کہ حکم اللہ کا ہو اور عمل کا نمونہ رسول اللہ ﷺ سے لیا جائے۔ جب تک معاشرت اور معیشت پر اسلامی نقطہ نظر حاوی نہیں ہو جاتا، اس وقت تک ربوا کے بارے میں قرآنی تعلیم سے اتفاق پیدا نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ ایمان کے بعد جو چیز آتی ہے وہ قریبی لوگوں کے لئے محبت، شفقت، احساس ہمدردی اور منصفانہ تقسیم دولت ہے۔ دولت کی اس تقسیم کو مناسب رکھنے کے لئے زکوٰۃ کو ٹیکس کے طور پر نافذ کیا گیا ہے۔

جنرل صاحب نے قرآن مجید کی تعلیمات سے ثابت کیا کہ انسان کے پاس جو بھی مال و دولت اور صلاحیت یا ذہانت ہے وہ اللہ کی عطا کردہ ہے، اس کی اپنی نہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا کہ اے انسان تو صرف امین ہے پھر اسی اصول پر حساب کتاب ہوگا۔ پھر یہ بھی واضح طور پر فرمادیا گیا کہ ان کی دولت میں محتاجوں کا حق مقرر ہے۔ قرآن مجید میں خرچ کرنے کے بارے میں سوال کے جواب میں کہا گیا کہ انہیں یہ بتادیا جائے کہ جو (تمہاری ضرورت سے) بچ رہے وہ سارا خرچ کرو۔ اس میں یتیموں، مسکینوں اور مسافر کا حصہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ربوا وہ فائدہ ہے جو قرض دینے کے بدلے ایک غیر منصفانہ معاہدے سے حاصل ہو۔ جنرل صاحب نے واضح طور پر فرمادیا کہ موجودہ بینکنگ سسٹم قطعی حرام ہے۔ کوئی غیر معین چیز یعنی مال کے بغیر نفع حاصل کرنا ربوا ہے، جب تک مال یا نفع واضح نہ ہو جائے تجارت حرام ہے۔ اس کی مثال انہوں نے یہ دی کہ جب تک کسی باغ کا پھل پک کر تیار نہ ہو جائے، اس کا بیچنا حرام ہے۔ چنانچہ موجودہ بینکنگ کے نظام کی بجائے مضاربت اور مشارکت کا نظام رائج ہونا چاہئے۔

آخری مقرر کے طور پر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو خطاب کی دعوت دیتے ہوئے صدر مجلس ڈاکٹر رفیق احمد نے جو پنجاب یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر، ماہر اقتصادیات اور ساؤتھ ایشین ایریا سٹڈی سنٹر کے موجودہ آنریری ڈائریکٹر ہیں، خاص طور پر ڈاکٹر صاحب کے لئے تعریفی کلمات فرمائے کہ آپ ملک کے نامور سکالر اور دانشور ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی عمومی ادعیہ ماثورہ اور قرآنی دعا کے ساتھ اپنی تقریر کا آغاز کیا اور فرمایا کہ ان کے خطاب کا عنوان ہے "اسلام میں ربوا کے عملی پہلو قومی اور ملی سطح پر" اور یہ بحثیں فیڈرل شریعت کورٹ کے فیصلہ کے بعد شروع ہوئیں تاکہ اقتصادی نظام کا متبادل تلاش کیا جائے۔ آپ نے وضاحت کی کہ میری تشریف آوری پروفیسر مہدی حسن اور مجیب شیخ صاحب کے اصرار پر ہوئی جبکہ میں آنا نہیں چاہتا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کہا میں کبھی بھی معاشیات کا طالب علم نہیں رہا تاہم قرآن مجید کا ادنیٰ طالب علم ہوں اور قرآن میں اقتصادیات کے متعلق بھی ہدایت موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سجاد رضوی صاحب کی بات کو کہ تمام مذہبی جماعتیں بینکوں سے سود لیتی ہیں بڑی سختی سے رد کیا اور فرمایا جنرل صاحب نے تو ایک جماعت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن میں تین اور جماعتوں کا نام بتاؤں گا جنہوں نے کبھی بینک سے سود نہیں لیا۔ ان میں مرکزی انجمن خدام القرآن ہے جو ۲۱ سال سے کام کر رہی ہے اور اس کے سارے فنڈ کرنٹ اکاؤنٹ میں ہیں، پھر تنظیم اسلامی ہے جو ۱۷ سال سے کام کر رہی ہے اور تحریک خلافت ہے جن کے فنڈز کرنٹ اکاؤنٹ میں ہیں۔

جہاں تک ربوا کے لغوی مفہوم کا تعلق ہے اس کا مطلب ہے بڑھنا اور پھلنا پھولنا۔ تاہم ربوا کا اصطلاحی مفہوم بالکل واضح کر دیا گیا ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ قرآن مجید نے جن بنیادی اصطلاحات کے مطالب اور معانی کو واضح کیا ہے، ان میں ایک ربوا بھی ہے جس میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہیں رہا۔ (ڈاکٹر صاحب نے اصل میں سجاد رضوی صاحب کی بات کا جواب دیا تھا کہ ربوا کا مفہوم ہی معین نہیں اور اس کو معین کرنا ضروری ہے)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ صلوٰۃ بھی قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے جو امت کے تواتر عمل کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کے اسوہ کا ایک حقیقی معجزہ ہے۔ دنیا کے ایک انتہائی وسیع علاقے میں جو انڈونیشیا، ملائیشیا سے مراکش، موریطانیہ تک پھیلا ہوا ہے، کروڑوں لوگ ایک ہی طریقے پر نماز پڑھتے ہیں۔ یہ تک معین ہے کہ قیام پہلے ہوگا پھر رکوع پھر دو سجدے اور یہاں تک کہ رکعتوں کی تعداد میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ یہ اصل میں ایک مظہر ہے ختم نبوت کا۔ نبوت محمد الرسول اللہ ﷺ پر ختم ہوگئی اور مکمل ہوگئی۔ دین بھی مکمل کر دیا گیا۔ اپنی اس وضاحت کی روشنی میں آپ نے فرمایا کہ ربوا کے تعین میں کوئی اشتباہ نہیں۔ تجارت کے ساتھ ربوا کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ تجارت کے ساتھ نفع کے لئے "ربح" کا لفظ استعمال کیا گیا اور ربوا تجارت کا

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

آٹھویں قسط

مسلم لیگ کو ہر آن کانگرس کے کسی نئے داؤ کا سامنا تھا

لیاقت علی خاں نے بجٹ پیش کر کے ہندوؤں کو ششدر کر دیا

خون خرابے پر برصغیر میں سب سے زیادہ پریشانی قائداعظم کو تھی

مرزا ایوب بیگ

وائسرائے ہند لارڈ ویول کلکتہ کے حالات کا جائزہ لینے خود وہاں پہنچا۔ تین دن کے قیام میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ دونوں بڑی پارٹیوں میں کسی ایک کو اقتدار منتقل کرنا ہندوستان کو خون میں نہلانے کے مترادف ہے۔ دہلی واپس پہنچتے ہی اس نے گاندھی اور نہرو سے مشترکہ ملاقات کی۔ ۲۷ اگست ۱۹۴۶ء کو ہونے والی اس تاریخی ملاقات میں عدم تشدد کے پرچارک' امن کے دیوتا اور سیکولرازم کے باپو مہاتما گاندھی نے دو ایسے جملے اپنے منہ سے نکالے جن سے خود کو فرقہ وارانہ تعصب سے بالاتر ظاہر کرنے والے اس بہروپئے کا اصل روپ سامنے آگیا۔ لارڈ ویول اپنی ڈائری میں لکھتا ہے کہ جب میں نے یہ کہا کہ فساد کی اصل جڑ کانگرس کی وہ تعبیر ہے جو وزارتی امن منصوبہ کی وہ اپنے تئیں کرتی ہے تو اس پر گاندھی نے کہا کہ "اگر خون بہانا ضروری ہوا تو عدم تشدد کے باوجود بہایا جائے گا"۔ لارڈ ویول لکھتا ہے کہ دوران گفتگو وہ تو فسادات اور ان میں ہونے والے انسانی جانوں کے ضیاع اور اس کے روک تھام کی بات کرتا رہا اور اس ذکر کے دوران مہاتما گاندھی بار بار میز پر ہاتھ مار مار کر کہتا رہا "اگر ہندوستان خون میں نہانا چاہتا ہے تو اسے نہانا چاہئے"۔ اس ملاقات میں بعض مزید تلخ جملوں کا تبادلہ بھی ہوا اور ماحول خاصا کشیدہ ہو گیا۔ اسی کشیدگی کے عالم میں یہ محفل برخاست ہوئی۔

گاندھی نے گھر پہنچتے ہی حکومت برطانیہ کو ایک تار دیا جس میں لارڈ ویول کی اہلیت ہی کو نشانہ بنایا اور کسی پڑھے لکھے قانون سمجھنے والے شخص کو اس کی اعانت کے لئے بھیجنے کو کہا۔ اس تار کے ذریعے اصلاً گاندھی نے الفاظ کے ہیرپھیر کے ساتھ لارڈ ویول کو برطرف کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ علاوہ ازیں انتہائی سخت زبان میں ایک خط ویول کو لکھا اور مذکورہ اوقات میں اس کے رویے کی شدید مذمت کی۔ گاندھی کے تار نے برطانوی حکومت میں کھلبلی مچا دی۔ گو لارڈ ویول نے بھی گاندھی کا دھمکی آمیز خط اور اپنی وضاحتیں برطانوی حکومت کو ارسال کیں لیکن ایٹلی کی حکومت میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو اس نازک دور میں کانگرس کو ناراض کرنے کا خطرہ مول لینے کا مشورہ دیتا۔ کمیونسٹ خطرہ اور ہندوستان سے نکلنے کے بعد ہندوستان کی حکومت سے برطانوی مفادات برطانوی حکومت کے پیروں کی بیڑیاں بن چکے تھے۔ جمہوریت یا انصاف کی کوئی پکار برطانوی حکومت کو کانگرس کی من مانی کارروائیوں کے آڑے آنے پر آمادہ نہ کر سکی اور ایٹلی حکومت نے لارڈ ویول کو برطرف کرنے پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔

برطانوی حکومت نے لارڈ ویول وائسرائے ہند کو تنبیہہ کے انداز میں صاف صاف کہہ دیا کہ اگر کانگرس صوبوں کی گروپنگ پر بہت حساس ہے تو وہ گروپنگ کے لئے کانگرس پر دباؤ نہ ڈالے۔ برطانوی حکومت نے کانگرس سے براہ راست رابطہ بھی کر لیا۔ یکم ستمبر ۴۶ء کو بمبئی میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ احمد آباد سے فسادات کی خبریں آنے لگیں لیکن اس کے باوجود وائسرائے لارڈ ویول نے ۲ ستمبر کو جواہر لعل نہرو کی سرکردگی میں ایگزیکٹو کونسل کے کانگرسی ارکان کو ان کے عہدوں کا حلف اٹھوا دیا۔ مسلمانوں نے اس دن یوم سیاہ منایا اور مکانوں اور دکانوں پر سیاہ جھنڈے لہرا دیئے۔ شفاعت احمد خان پر جس نے کانگرس کی طرف سے نیشنلسٹ مسلمان کی حیثیت میں حلف اٹھایا تھا' اسی روز قاتلانہ حملہ ہوا جس میں وہ شدید زخمی ہو گیا۔ مسلمانوں کا ردعمل بڑا شدید تھا۔ پنجاب میں بھی فسادات کا لاوا پکنا شروع ہو گیا۔

اس صورت حال اور خون خرابے پر برصغیر میں جو شخص سب سے زیادہ پریشان اور رنجیدہ تھا وہ قائداعظم ہی تھے اور ان کی طرف سے مسلسل ایسے بیانات آرہے تھے جن کا صاف صاف مطلب یہ تھا کہ کانگرس اگر ذرا سا بھی معقول رویہ اختیار کرے تو افہام و تفہیم اب بھی ہو سکتی ہے۔ قائداعظم کا یہ رویہ لارڈ ویول کے لئے حوصلہ افزا تھا۔ اس نے دوبارہ مسلم لیگی زعماء سے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا البتہ اس رویہ سے کانگرس کی رعونت میں مزید اضافہ ہوا اور کانگرسی لیڈروں نے صاف صاف کہنا شروع کر دیا کہ جونہی ان کی عبوری حکومت کو اختیارات ملے وہ مسلم لیگ سے نمٹ لے گی۔ اس نے بغیر مسلم لیگ کے آئین ساز اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کر دیا جسے لارڈ ویول نے رد کر دیا۔ بالآخر قائداعظم اس شرط پر عبوری حکومت میں شامل ہونے پر تیار ہو گئے کہ اگر کانگرس اپنی طرف سے ایک نیشنلسٹ مسلمان کی شمولیت پر اصرار کرتی ہے تو مسلم لیگ بھی اپنی طرف سے ایک اچھوت کو عبوری حکومت میں شامل کرے گی جس پر کانگرس کو اصولی طور پر اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔

لارڈ ویول نے اس مطالبہ کو درست تسلیم کر کے قائداعظم کو پانچ ارکان کی فہرست دینے کو کہا۔ قائداعظم نے نواب زادہ لیاقت علی خان' عبدالرب نشتر' آئی آئی چندریگر' راجہ غضنفر علی خان اور جوگندر ناتھ منڈل کے نام تجویز کئے۔ جوگندر ناتھ منڈل کے نام پر کانگرس بڑی سٹپٹائی لیکن اس کے پاس اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ محکموں کی تقسیم کے بارے میں کانگرس کی عیاری نے خود اپنے لئے گڑھا کھودا۔

بظاہر یہ سادہ سا معاملہ انتہائی پیچیدہ اور سنگین ثابت ہوا۔ محکموں کی اس تقسیم نے جس پر کانگرس نے بڑی ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا تھا' اس کے سینے پر یوں مونگ دلا کہ کانگرس کے بعض لیڈر بلبلا اٹھے اور انہیں کہنا پڑا کہ پاکستان کا مطالبہ تسلیم کرو اور مسلمانوں سے جان چھڑاؤ۔

کانگرس نے جہاں بعض محکموں کے لئے بڑی شدت سے اصرار کیا وہاں محکمہ خزانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ نیت صاف ظاہر تھی کہ مسلمانوں میں کوئی شخص ایسا نہیں جو مالیات کو سنبھالنے کا اہل ہو۔ قائداعظم بھی اس وزارت کو قبول کرنے میں متردد تھے۔ اس موقع پر وزارت خزانہ کے ایک سینئر مسلمان عہدیدار چوہدری محمد علی نے قائداعظم سے ملاقات کی۔ قائداعظم سے جو اصل اہمیت دفاع اور داخلہ کے محکمہ کو دے رہے تھے' انہوں نے عرض کیا کہ جہاں تک دفاع کے محکمہ کا تعلق ہے اس کی اصلیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن مسلمانوں کو اس محکمہ کا ملنا دشوار ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ البتہ وہ وزارت داخلہ کو اتنی اہمیت نہ دیں۔ اکثر صوبائی حکومتیں کانگرس کی ہوں گی۔ لاء اینڈ آرڈر اصلاً صوبائی معاملہ ہے۔ وہ مسلمان مرکزی وزیر داخلہ کو لفٹ نہیں کرائیں گی اور وہ بے اثر ہو کر رہ جائے گا۔ آپ فوری طور پر وزارت خزانہ جو خود کانگرس پیش کر رہی ہے' قبول کر لیں۔ میں اپنی غیرسرکاری خدمات رضاکارانہ طور پر آپ کے وزیر خزانہ کے حوالے کر دوں گا اور ہم وزارت خزانہ کے ذریعے دوسری وزارتوں کو بھی کنٹرول کریں گے۔ بات قائداعظم کی سمجھ میں آ گئی۔

گو لیاقت علی خان وزارت خزانہ سے بہت گھبرا رہے تھے لیکن بہرحال انہیں رضامند کیا گیا اور مسلم لیگی وزیروں کو درج ذیل محکمے الاٹ کئے گئے:۔

لیاقت علی خان' خزانہ ---- سردار عبدالرب نشتر' ڈاک و تار ---- آئی آئی چندریگر' تجارت ---- راجہ غضنفر علی خان' صحت اور جوگندر ناتھ منڈل' قانون۔ عبوری حکومت کا آغاز ہی جھگڑے سے ہوا۔ ۲۶ اکتوبر ۴۶ء کو مسلم لیگ کے نامزد ارکان بھی کونسل میں شامل ہو گئے اور اسے ایک مخلوط حکومت کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ مسلم لیگی ارکان نہرو کو وزیراعظم اور خود کو اس کے ماتحت کابینہ کے ارکان کی حیثیت سے قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ پہلے ہی روز نہرو کے پرائیویٹ سیکرٹری نے اپنی طرف سے لیاقت علی خان اور دوسرے لیگی ارکان کونسل کو نہرو کے کمرے میں چائے پر اکٹھا ہونے کے لئے دعوت نامہ بھیجا۔ لیاقت علی خان اور دوسرے لیگی ارکان اس پر بہت برہم ہوئے کہ پرائیویٹ سیکرٹری کون ہوتا ہے کہ انہیں اپنی طرف سے دعوت بھجوائے۔ دوسرے یہ کہ نہرو کو یہ غیر رسمی اجلاس منعقد کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ صرف باقاعدہ اجلاس میں وائسرائے کی عدم موجودگی میں صدارت کرنے کا حق رکھتا ہے۔

اس واقعہ سے نہرو کے اعصاب نے جواب دے دیا اور وہ چند دن صاحب فراش رہا۔ اسی حالت میں اس نے لارڈ ویول کو خط لکھا اور اپنی برہمی کا اظہار کیا۔ اس نے لکھا کہ ہم کابینہ میں متحارب فریقوں کی صورت میں کام نہیں کر سکتے۔ اگر حالات سازگار نہ ہوئے تو ہمارے لئے اس حکومت میں کام جاری رکھنا ممکن نہ ہو گا۔ ویول نے استعفیٰ کی اس دھونس کو اعصابی جنگ کا حصہ قرار دیا۔ حقیقت میں اس اعصابی جنگ میں مرکزی حکومت کے ہندو اور مسلمان افسر بھی دو متحارب فریقوں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ ایک طرف وائسرائے کا آئینی مشیر وی پی مینن وزیر داخلہ سردار پٹیل سے ملاقاتیں کر کے اسے خفیہ اطلاعات فراہم کرتا اور دوسری طرف چودھری محمد علی مسلم لیگی وزراء کے بلاک کے مشیر اعلیٰ بن چکے تھے۔ وہ مرکزی محکمہ خزانہ کو کچھ اس طرح چلا رہے تھے کہ کانگرسی وزیروں کے محکموں کا کام چلتا ہی نہیں تھا ہر چھوٹے بڑے کام کے لئے محکمہ خزانہ کی منظوری ضروری تھی۔ چوہدری محمد علی یا تو منظوری ہی نہ دیتے اور اگر منظوری دیتے بھی تو اتنی تاخیر اور لیت و لعل کے بعد کہ ہندو وزرا اور اعلیٰ افسر سر پیٹ کر رہ جاتے تھے۔ کانگرس نے خزانہ کی وزارت مسلمانوں کو اس لئے دی تھی کہ مسلمانوں سے حساب کتاب کام نہیں ہو سکے گا لیکن چودھری محمد علی نے اس وزارت میں بیٹھ کر ہندو وزراء کا ناطقہ بند کر دیا۔

۲۸ فروری ۴۷ء کو جب نواب زادہ لیاقت علی خان وزیر خزانہ ہندوستان نے عبوری بج گیا۔ لیاقت علی خاں نے ایک لاکھ روپیہ سے زائد آمدن پر پچیس فیصد ٹیکس لگا دیا اور دوران جنگ ٹیکس نہ ادا کرنے والوں کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کر دیا۔ ہندوؤں کا یہی طبقہ سردار پٹیل کی سیاسی قوت کا سرچشمہ تھا جسے ٹھیک ٹھیک ضرب لگائی گئی تھی۔ کانگرسی حلقوں نے اس کا مطلب یہ لیا کہ اس بجٹ کے ذریعہ ہندو سرمایہ دار کو سزا دینے کی کوشش کی گئی ہے کیونکہ یہی لوگ کانگرس کی مالی امداد کرتے تھے۔ کانگرسی حلقوں نے اس بجٹ کو اس حوالہ سے لیا کہ اس کے ذریعے کانگرس پارٹی میں موجود دائیں بازو اور سوشلسٹ گروپ کے درمیان اختلاف کو ہوا دی گئی ہے خود لارڈ ویول نے اس بجٹ کو سوشلسٹ قرار دیا اور وزیر ہند کو لکھا کہ اس بجٹ نے کانگرس پارٹی کے حقیقی سوشلسٹوں کو بہت متاثر کیا ہے لیکن سرمایہ دار خوف میں مبتلا ہو گیا ہے اور جب سے بجٹ تقریر ہوئی ہے' کلکتہ بمبئی اور مدراس کے سٹاک ایکسچینج بند پڑے ہیں۔

اس بجٹ کے بعد پہلی مرتبہ ہندوؤں کی طرف سے ایسی آوازیں اٹھیں کہ فلاں فلاں علاقہ مسلمانوں کو دے دیا جائے اور اگر وہ اس کا نام پاکستان رکھ لیں تو ہمیں اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ ان لوگوں میں سردار پٹیل اور وی پی مینن شامل تھے۔ البتہ ان کے مطابق کٹے پھٹے پاکستان میں صرف پنجاب کے مسلم اکثریت کے اضلاع اور سندھ کے مسلم اضلاع شامل تھے' اس میں سرحد اور بلوچستان کے کسی حصہ کا نام و نشان نہ تھا۔ مقصد یہ تھا کہ کٹا پھٹا اور لولا لنگڑا پاکستان چل نہ سکے گا اور جلد ہی واپس پکے ہوئے پھل کی طرح بھارت کی جھولی میں گر جائے گا اور دوبارہ ضم ہونے کی صورت میں وہ قطعاً اس حیثیت میں نہیں ہو گا کہ اپنے مطالبات پر ڈٹ کر کھڑا ہو سکے۔

مارچ ۴۷ء کے آغاز ہی میں پنجاب میں خانہ جنگی کے شعلے بھڑک اٹھے اور بقول وائسرے لارڈ ویول "وسطی پنجاب پاکستان کے لئے میدان جنگ بن چکا تھا' اور یہ ہنگامے اور فسادات اتنے شدید تھے کہ گورنر پنجاب جینکنز کا کہنا تھا کہ انگریز کو بقیہ ہندوستان سے پہلے پنجاب سے نکلنا پڑے گا۔ مارچ ۴۷ء ہی میں لارڈ ویول کے خلاف کانگرس کی سازشیں رنگ لائیں۔ برطانوی حکومت نے اسے برطرف کر کے اس کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے ہند مقرر کیا لیکن ۲۳ مارچ ۴۷ء کو جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا' خود کانگرس مسلمانوں کے عزم کے سامنے ہتھیار پھینک چکی تھی۔ اس نے اصولی طور پر برصغیر کی تقسیم کو قبول کر لیا تھا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے آتے ہی ہندوستانی رہنماؤں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ نواب بھوپال نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو قائداعظمؒ کا یہ پیغام

(باقی صفحہ ۴۳ پر)

اسحاق، نواز شریف اور بے نظیر ۔۔۔ مکافات عمل کی کارفرمائی

چاہ کن چاہ را درپیش

روزنامہ جنگ میں ارشاد احمد حقانی کا "حرف تمنا"

انگریزی میں ایک اصطلاح ہوتی ہے "Poetic Justice" اس کا مطلب ہے پورا پورا انصاف، کسی عمل کے نتیجے میں ملنے والی جزا اور سزا۔ اسے آپ مکافات عمل بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایک حدیث مبارکہ بھی ہے: "من حفر بئر لاخیہ وقع فیہ" یعنی جس نے اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودا، خود اس میں گرا۔ پاکستانی سیاست کے موجودہ زیروبم مذکورہ اصطلاحات اور اقوال کی صداقت روز روشن کی طرح واضح کر رہے ہیں۔ ذرا واقعات کا ارتقاء ملاحظہ فرمایئے:

(۱) صدر اسحاق نے ۱۹۸۸ء کے انتخابات سے پہلے بے نظیر کا راستہ روکنے کے لئے اس کی مخالف سیاسی قوتوں کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھا۔ ان کے علم اور اطلاع سے آئی ایس آئی نے آئی جے آئی بنوائی۔ صدر صاحب اس کی تشکیل میں براہ راست شریک رہے ہوں یا نہ رہے ہوں اور جنرل بیگ نے اس کے لئے سبز جھنڈی خود دکھائی ہو یا نہ دکھائی ہو، اس وقت کی پوری اسٹیبلشمنٹ آئی جے آئی کی تشکیل کی خواہاں اور اس کے لئے کوشاں تھی۔ اس سے قبل صدر اسحاق اس فوجی آمر کے دست راست رہے جس نے ایک مقبول عوامی لیڈر کو پھانسی پر چڑھا کر پاکستان کی سیاست میں خونی تقسیم کی بنیاد ڈالی جس نے ہمیں کئی سال تک جمہوریت سے محروم رکھا اور ملک سیاسی پیچیدگیوں سے دوچار رہا۔

(۲) ۱۹۸۸ء کے انتخابات کے بعد صدر اسحاق نے محترمہ کو حلف دلانے سے پہلے ان کے حریفوں کو پورا موقع دیا کہ وہ جوڑ توڑ کے ذریعے اکثریت بنالیں۔ میاں نواز شریف نے سرکاری جہازوں اور ہیلی کاپٹروں پر ملک کے کونے کونے کے دورے کئے تاکہ اکثریت جمع کرنے کا دعویٰ کر سکیں لیکن ناکام رہے۔ ناچار صدر اسحاق کو محترمہ کو حلف منصبی دلانا پڑا۔

(۳) محترمہ کی حکومت کے بارے میں صدر کا رویہ کبھی ہمدردانہ نہ تھا۔ مرکز پنجاب محاذ آرائی میں ان کی ہمدردیاں پنجاب کی حکومت کے ساتھ تھیں۔ اس پنجاب حکومت کے سربراہ آج ان کے لئے سب سے بڑا درد سر بنے ہوئے ہیں۔

(۴) میاں نواز شریف نے محترمہ کو زچ کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی۔ انہیں "صرف اسلام آباد کی حکمران" ہونے کا طعنہ دیا۔ آج یہی طعنہ اور زیادہ جواز کے ساتھ انہیں دیا جا رہا ہے۔ محترمہ تو سندھ اور سرحد اور بلوچستان آزادانہ اور باعزت طریقے سے جا سکتی تھیں لیکن اس وقت انہیں زک پہنچانے والے اور پنجاب میں پروٹوکول نہ دینے والے موجودہ وزیراعظم آج کسی بھی صوبے میں باعزت طور پر نہیں جا سکتے اور ایک بھی وزیراعلیٰ یا گورنر انہیں پورا پروٹوکول دینے پر تیار نہیں۔

(۵) انہوں نے وفاق کو سرکاری افسروں کے تقرر اور تبادلوں پر تنگ اور پریشان کرنے کی کوشش کی۔ سی ایس پی افسروں کو واپس بھیجنے کی دھمکی دی۔ آج وہی سلوک ان کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ مرکزی حکومت وزراعلیٰ کے احکام نہ ماننے والوں کو شاباش دے رہی ہے، ان کی تعریفیں کر رہی ہے۔

(۶) انہوں نے اپنا ٹی وی بنانے کی دھمکی دی۔ آج نہ صرف یہی دھمکی دی جا رہی ہے بلکہ وٹو حکومت نے شارٹی وی سے ایک معاہدہ بھی کر لیا ہے اور شام چھ بجے سے آٹھ بجے کا وقت خرید لیا ہے۔

(۷) میاں صاحب نے پنجاب کی پولیس اور انتظامیہ کو بے نظیر کے خلاف استعمال کیا۔ آج پنجاب کی پولیس اور انتظامیہ ان کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ سچ ہے خود کردہ را علاجے نیست۔ وزیراعظم کے ساتھیوں کے لئے اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر جانا بھی کار دارد بن چکا ہے۔

(۸) کل انہوں نے ایم پی اے صاحبان کو خریدا اور اپنی حکومت مستحکم کی۔ اب دونوں طرف یہی کھیل کھیلا جا رہا ہے اور وزیراعظم کے حامی ایم پی اے صاحبان کی ضمانتیں قبل از گرفتاری کرائی جا رہی ہیں اور وہ اپنے صوبے میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔ وزیراعظم کے اپنے دیرینہ ساتھی ہی ان کے حریف بن چکے ہیں۔

(۹) میں نے ایک گزشتہ کالم میں لکھا تھا کہ صدر اسحاق آج پچھتا رہے ہوں گے کہ انہوں نے بے نظیر حکومت کو برطرف کیوں کیا اور ان کے خلاف ریفرنس کیوں بھیجے۔ آصف علی زرداری کو جام صادق علی کے ذریعے قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار کیوں کیا۔ وہ اس لئے پچھتا رہے تھے کہ مذکورہ اقدامات کرنے کے بعد اب وہ خواہش کے باوجود میاں نواز شریف کی اسمبلی اور حکومت توڑنے میں مشکلات محسوس کر رہے تھے اور انہیں برطرف کرنے کے بعد ان کے خلاف ریفرنس نہیں بھیج سکتے تھے کیونکہ اسمبلیاں توڑنا اور ریفرنس قائم کرنا سارے ملک کے نزدیک ناپسندیدہ عمل قرار پا گیا ہے۔ نواز شریف حکومت اور اسمبلی کی برطرفی کے خلاف ظاہر کیا جانے والا غصہ اس مجموعی غصے کا اظہار تھا جو تین اسمبلیاں یکے بعد دیگرے ٹوٹنے سے عوام کی اکثریت میں ناموافق ردعمل ابھار رہا تھا۔ اب میں کہتا ہوں کہ صدر اسحاق اس بات پر سخت پچھتا رہے ہوں گے کہ انہوں نے ۱۹۹۰ء کے انتخابات میں نواز شریف گروپ کی درپردہ اور اعلانیہ حمایت کیوں کی۔ صدر اسحاق کے سینے میں ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے حوالے سے بڑے راز پوشیدہ ہیں اور جس اسمبلی کو جمہوریت کی علامت قرار دے کر بحال کیا گیا ہے وہ اس کی حقیقت اور نمائندہ حیثیت سے آگاہ ہیں لیکن زبان نہیں کھول سکتے کہ ایسا کریں تو خود بھی محفوظ نہیں رہتے۔ ان کا بس چلے تو ۱۹۹۰ء کے انتخابات کا سارا کچا چٹھا کھول دیں لیکن اسی طرح نہیں کھول سکتے، جس طرح غلام مصطفیٰ جتوئی اور مرزا اسلم بیگ۔ دونوں حضرات اشارۃً اور بداہتہً ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے بارے میں اشاروں میں بہت کچھ کہہ چکے ہیں اور جو کچھ کہہ چکے ہیں اس سے زیادہ ان کے سینوں میں ہے بالکل صدر صاحب

کی طرح، لیکن قدرت صدر صاحب سے انتقام لے رہی ہے کہ وہ اس اسمبلی کی حقیقت بیان کرنے پر قادر نہیں اور اس کے لئے آزاد نہیں جو ان کے حکم کے علی الرغم بحال ہو گئی ہے۔ جس شخص کی خاطر انہوں نے سب کچھ کیا اور جسے اقتدار سے باہر رکھنے کی منصوبہ بندی کی، آج ان دونوں سے ان کا رشتہ اور مساوات (Equation) بدل چکی ہے لیکن وہ اپنی فرسٹ ہینڈ معلومات کو استعمال کرکے اپنے موجودہ حریف اول کو بے نقاب نہیں کر سکتے۔ یہ قدرت کا صدر اسحاق سے انتقام ہے۔ یہ مکافات عمل ہے۔ یہ بھائی (یا بہن اور بیٹی) کے لئے گڑھا کھودنے کی سزا ہے جو انہیں مل رہی ہے۔

(۱۰) عدلیہ نے ۱۹۹۰ء میں دوسری وجوہ کے علاوہ چار ارکان اسمبلی کے وفاداریاں تبدیل کرنے کی بنیاد پر حکومت وقت کی برطرفی کو جائز قرار دیا اور ملک کے ایک بڑے طبقے سے یہ طعنہ سنا کہ وہ کسی حکمران وقت کے خلاف فیصلہ نہیں دے سکتی۔ آج اس نے اسمبلی کی برطرفی کو حق بجانب قرار دینے سے انکار کیا ہے تو لوگ کہہ رہے ہیں کہ ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۳ء میں تو عدلیہ نے اسمبلیوں کی برطرفی کو ناجائز قرار دیا تھا لیکن ۱۹۹۰ء میں برطرفی کو جائز کہا۔ آخر اس فرق و امتیاز کا کیا جواز ہے۔ جونیجو اور بے نظیر کی اسمبلی تو بحال نہ کی لیکن نواز شریف کی کر دی جبکہ ایکشن کی بنیادیں ایک جیسی تھیں۔ عدالت کے پاس یقیناً اپنے بظاہر متضاد اقدامات کا جواز ہو گا لیکن عام شہری اس جواز کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہم عدلیہ کے تینوں فیصلوں میں سے کسی پر تنقید نہیں کر رہے بلکہ صرف عام شہری کو نظر آنے والے ظاہری تضاد کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس سے وہ تصویر حیرت اور سراپا سوال بنا ہوا ہے۔ ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۰ء کے فیصلوں نے عدلیہ کو ہدف تنقید بنوایا تو اس دفعہ بھی نتیجہ کچھ تھوڑا ہی مختلف نکلا۔ حکومت کی بحالی کے بعد جو کچھ ہو رہا ہے، اس سے عدلیہ کے اقدام کی اصابت زیر بحث آ رہی ہے۔

اوپر بیان کردہ تمام واقعات میں اہل فکر و نظر کے لئے غور و فکر کا بڑا سامان ہے اور اس سے مکافات عمل کے اصول کی ابدی صداقت کا اظہار ہوتا ہے۔○○

اپنے نام نہاد مسلمان حکمران اور ان کے فوجی جرنیل انجام دے رہے ہیں۔ کیا ستم ظریفی ہے کہ ہماری افواج ہمیں ظالموں سے بچانے کی بجائے خود ہمارا ہی صفایا کر رہی ہیں!۔

اسلام نے چودہ سو برس قبل اخوت، مساوات، حریت کے جو سنہری اصول دنیا کو دیئے تھے، آج وہ اپنوں کے ہاتھوں پامال ہو رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ بے یار و مددگار ہو کر رہ گئی ہے۔ بھارت کا ہندو وہاں سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹانے پر تلا ہوا ہے اور یہ عمل بھارت تک محدود نہیں۔ یہود اور ہنود اپنی ملی بھگت سے پوری دنیا کے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہیں، مگر مسلمانوں میں کوئی ایک بھی بااثر شخص ایسا نہیں جو عالمی سطح پر اس کے خلاف آواز ہی بلند کر سکے۔

ہمارے دانش ور اور مصلح الیکشن کے چکروں میں وقت پر وقت ضائع کئے جا رہے ہیں اور آگے سے آگے انتشار اور ناچاقی پیدا کئے جا رہے ہیں۔ بے گناہ مسلمان گولیوں کا نشانہ بنائے جا رہے ہیں۔ عصمتیں لٹ رہی ہیں۔ بچے، بوڑھے بے گھر ہو رہے ہیں مگر ہم ہیں کہ سوچنے سمجھنے کے لئے تیار ہی نہیں کہ بابری مسجد، کشمیر، بوسنیا، فلسطین، عراق، الجزائر اور مصر کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ کیا ہم حالات کا مقابلہ الیکشن میں کامیابی کے ذریعے یا غاصب اور عیاش حکمرانوں کے خلاف اکا دکا کارروائیوں اور گلی کوچوں میں ٹائر جلا کے کر سکتے ہیں؟۔ اس کے لئے اہل حق پر مشتمل ایک ایسی منظم قوت درکار ہے جو ان حکمرانوں کو بھاگنے پر مجبور کر سکے۔○○

بقیہ: تاریخ سیاسیات پاکستان

پہنچایا کہ "اب مجھے متحدہ حکومت کی کسی صورت کو قبول کرنے پر کوئی بھی شے آمادہ نہیں کر سکتی"۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان آنے سے پہلے برطانوی حکومت سے باقاعدہ مذاکرات کئے تھے اور تقرری قبول کرنے کے لئے بعض شرائط عائد کی تھیں۔ ان شرائط میں سے ایک شرط بڑی حیران کن تھی کہ اسے اور اس کی اہلیہ کو یہ اجازت ہو گی کہ وہ پروٹوکول کو بالائے طاق رکھ کر ہندوستانی رہنماؤں اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ خصوصی تعلقات قائم کریں اور خاندانی سطح پر ان سے میل جول بڑھائیں۔۔۔ اور پھر انہی "خصوصی خاندانی تعلقات" نے برصغیر کی تقسیم میں جو رول ادا کیا اس سے اہل ہند بخوبی واقف ہیں۔○

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے!

یہ عرضداشت مسلم امت کو درپیش ان مسائل کی جانب توجہ مبذول کرانے کی ایک کوشش ہے جن کے باعث امت نفاق کا شکار ہو کر سوچ اور عمل میں غیروں کی محتاج ہو کر رہ گئی ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی علم و فہم عطا کیا ہے ان کی کیا یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ اس معاشرتی روگ کا کوئی علاج تجویز کریں؟۔ اگر مسلمانوں کا فرض ہے کہ لوگوں کو نیکی اور سچائی کی دعوت دیں تو انہیں "جنگجو" اور "بنیاد پرست" قرار دینا چہ معنی دارد؟۔ کیا محض اس لئے کہ کفر کو من مانی کرنے کی آزادی حاصل ہے۔

راقم کی یہ کوشش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور نوع انسانی کی بہبود کے لئے سنجیدگی کے ساتھ ایسی تجاویز پیش کرے جو معاشرے میں تبدیلی کا باعث بن سکیں الا یہ کہ مسلمان اپنی بربادی پر تل ہی نہ چکے ہوں۔

آپ کا مسلمان بھائی
محبوب عالم خواجہ بی۔ ایچ۔ ڈی
حال مقیم سعودی عرب

لوگ اپنے اپنے دور میں جو کچھ کر گئے وہ تاریخ کا حصہ بن گیا ہے۔ مسلمان بھی جب ایمان اور عمل کی دولت سے بہرہ ور تھے، تاریخ نے ان کے حق میں گواہی دی۔ اللہ تعالیٰ کی تائید ان کے شامل حال رہی کیونکہ وہ حق کے علمبردار تھے۔ اب مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ "کس نمی پرسد کہ بھیا کیستی"۔ سوائے چند ایک گنے چنے خانوادوں کے جو اپنی جھوٹی عظمت کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہیں، اکثریت بے بسی میں مبتلا اور پستی کی مکین ہے۔ اس زبوں حالی کی وجوہات میں سب سے نمایاں اسلام سے دوری، نااہل قیادت اور یک جہتی اور ہم آہنگی کا فقدان ہیں۔ مسلمان عوام کو پوچھنے والا کوئی نہیں اور وہ ایسے حکمرانوں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں جن کے پاس اس قوت اور طاقت کا ارتکاز ہے جو کسی کام نہیں آ رہی۔ جو لوگ اس کا شعور رکھتے اور کوئی تبدیلی لانا چاہتے ہیں انہیں "جنگجو" اور "بنیاد پرست" کہہ کر دھر لیا جاتا ہے اور یہ فریضہ ہمارے

ٹیکنالوجی کی لامحدود ترقی بے تحاشا بے روزگاری کا سبب ہے

مغرب کو درپیش ایک مسئلہ

روبوٹ کو انسان نے تخلیق کیا' اب وہ اپنے خالق کی جگہ لے رہا ہے

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

چالیس کے اواخر اور ستر کے شروع تک' دو دہائی سے زائد کا عرصہ پیداوار اور ترقی کے لحاظ سے صنعتی ممالک کا مثالی دور شمار ہو گا جس میں معیشت اپنے عروج پر تھی اور تجارت اور آمدنیوں میں اضافے سے معیار زندگی دیکھتے ہی دیکھتے بلندی پر پہنچ گیا۔ یورپ' امریکہ اور جاپان میں ہر کسی کے لئے ملازمتیں موجود تھیں مگر اب معیشت اگر کہیں آگے بڑھ بھی رہی ہے تو کچھوے کی رفتار سے۔ آمدنی اور اخراجات ایک سطح پر آ گئے ہیں۔ حکومتیں مسلسل خسارے میں چل رہی ہیں۔ سب سے تشویش ناک بات یہ ہے کہ کروڑوں کی تعداد میں لوگ بے روزگار پھر رہے ہیں۔ کساد بازاری کا شکار مغربی یورپ دو کروڑ سے زائد بے روزگار افراد کا بوجھ برداشت کر رہا ہے اور یہ تعداد متواتر بڑھتی جا رہی ہے۔

امریکہ جہاں یورپ کے مقابلے میں بہت کم مدت کے لئے بے روزگاری الاؤنس فراہم کیا جاتا ہے' ۸۹ لاکھ افراد بے روزگار ہیں۔ ۱۹۹۱ء کے بعد پہلی دفعہ مئی میں یہ تناسب کچھ کم ہوا ہے۔ وہ بھی اس وجہ سے کہ لاکھوں کی تعداد میں لوگ چھوٹے موٹے کام کر کے گزر کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جاپان جیسے ملک میں بھی گزشتہ بیس سال میں بے روزگاری کی شرح ہمیشہ سے زیادہ اونچی رہی۔ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ یورپ اور امریکہ کا اس وقت سب بڑا مسئلہ بے روزگاری ہے تو بے جا نہ ہو گا۔

بے روزگاری زیادہ ہو گی تو حکومت کے معاشرتی پروگرام بھی متاثر ہوں گے۔ ٹیکسوں سے موصول ہونے والی آمدنی میں کمی واقع ہو گی' امیر غریب کے درمیان فرق میں اضافہ ہو گا اور عوام میں احساس محرومی جنم لے گا۔ عالمی سطح پر مقابلہ اتنا سخت ہے کہ کم سے کم تعداد میں کارکن زیادہ سے زیادہ کام نہیں دیں گے تو کسی کمپنی کا کاروبار میں رہنا ممکن نہیں۔ اس لئے معاشی ترقی کے باوجود ملازمتوں میں کمی آ رہی ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں کارکنوں کے بے روزگار ہونے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اب تک جس نوعیت کا کام میسر تھا' وہ تیزی سے ناپید ہو رہا ہے۔ کچھ تو اس لئے کہ پہلے کی بہت سی اشیاء کی جگہ نئی چیزیں آ جاتی ہیں اور اس لئے بھی کہ کارکنوں کی جگہ بھی مشینیں لے رہی ہیں۔ مثلاً لوہے کی صنعت' کان کنی' زراعت' کاروں کی صنعت' بنک کلرکی اور سرکاری محکموں میں چھوٹے ملازمین کے کام مستقلاً مشینوں نے لے لئے ہیں۔

ٹیکنالوجی کی ترقی نے ملازمتوں کا خاتمہ کیا ہے تو بہرحال کچھ مواقع پیدا بھی کئے ہیں۔ نئی ٹیکنالوجی لانے کے لئے' نئے کام جاننے والے سہی' لوگ تو چاہئیں اور پھر جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے پیداوار میں اضافے کے نتیجے میں جو منافع آتا ہے اس سے نئی صنعتیں قائم ہوتی ہیں اور روزگار کے لئے مزید مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ سب سے پیچیدہ مسئلہ ترقی یافتہ ممالک کو درپیش ہے جہاں سے سستی مزدوری کی دستیابی کے باعث پرانی صنعتوں کو ترقی پذیر ممالک کو منتقل کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ لہٰذا معاشی ترقی کے باوجود ترقی یافتہ ممالک میں بے روزگاری روز افزوں ہے۔ سیاسی سطح پر اس مسئلے کا حل اس لئے مشکل ہے کہ چونکہ سیاستدانوں کو بنیادی اور دور رس تبدیلیوں سے زیادہ اپنے اقتدار سے دلچسپی ہوتی ہے' اس لئے ٹیکنالوجی اور عالمی مسابقت کے نتیجے میں رونما ہونے والی تبدیلیاں مستقل شکل اختیار کرتی جا رہی ہیں۔

بیس سال قبل کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آئندہ ایک چھوٹی سی ایجاد 'مائیکرو چپ' کا کمپیوٹر' ڈیجیٹل کمیونیکیشن اور فیکٹری روبوٹ میں استعمال پوری دنیا کو بدل کر رکھ دے گا۔ مستقبل میں بائیو ٹیکنالوجی' مصنوعی دماغ اور اس سے بھی آگے کی ٹیکنالوجی ایجادات کا جو سیلاب لانے والی ہے اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ البتہ یہ بات یقینی ہے کہ کامیاب صرف وہی لوگ رہیں گے جن کی رسائی ان جدید ترین معلومات اور متعلقہ علوم تک ہو گی۔ کمپیوٹر کا جاننا اتنا ضروری ہو گیا ہے کہ اس کے بغیر تعلیم یافتہ انسان بھی ان پڑھ شمار ہوتا ہے۔ کسی شخص کی ذاتی مہارت اور کام کرنے کی صلاحیت اب ضروری نہیں رہی' اصل خوبی یہ ہے کہ وہ جدید معلومات کے ذریعے آئندہ کے مسائل کا حل تلاش کر سکتا ہو یعنی کم از کم دس برس آگے کی سوچ سکتا ہو کیونکہ چیزوں کی تیاری اب کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ مقابلہ اس بات میں ہے کہ نئی سے نئی چیز مارکیٹ میں لائی جائے۔ محنت کے اعداد و شمار تیار کرنے کے ذمہ دار امریکی بیورو نے اس بارے میں جو فہرست شائع کی ہے اس کے مطابق آئندہ صرف سسٹم انالسٹ' کمپیوٹر سائنس دان' میڈیکل اسسٹنٹ' کمپیوٹر پروگرامر اور مینجمنٹ انالسٹ جیسی اسامیاں متوقع ہیں۔ جن اسامیوں کے ساتھ لفظ آپریٹر' آتا ہے مثلاً ٹیکسٹائل مشین آپریٹر' مشین ٹولز آپریٹر' سوئچ بورڈ آپریٹر وغیرہ' انہیں ہمیشہ کے لئے ختم سمجھیں۔

موجودہ دور میں ترقی کا ایک راستہ ہے۔ جدید تعلیم کا حصول اور مسلسل تربیت۔ آپ کا تعلیمی نظام اگر جدید تقاضے پورے نہیں کرتا تو ترقی کی امیدیں باندھنا محض خوش فہمی ہے۔ صنعتی انقلاب کے دور میں کسی ملک کی اصل دولت وہاں کے قدرتی وسائل تھے' اب اس کی جگہ جدید معلومات اور علوم نے لے

ں ہے اور یہ وہ خام مال ہے جو کوئی بھی قوم پیدا کر سکتی ہے۔

برمنگھم میں دھات کے والوو اور موٹر شافٹیں تیار کرنے والی فیکٹری کے مالک بار سمین جنہوں نے ایک مزدور کی حیثیت سے عملی زندگی کا آغاز کیا' کہتے ہیں کہ میں نے مختلف ٹیکنیکل کانفرنسوں میں شرکت کی تو میری آنکھیں کھلیں اور معلوم ہوا کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور کہاں کہاں خامیاں ہیں۔ چنانچہ تین سال قبل میں نے کمپنی کی کار واپس کر دی اور اپنی تنخواہ سے دست بردار ہو کر پہلے خود ضروری تربیت حاصل کی اور پھر دوسرے عملے کو تربیت دلائی جس سے آٹھ افراد پر مشتمل فیکٹری کے عملہ کا ہر کارکن جس میں ایک سابق معمار اور ایک ایشیائی تارک وطن جسے انگلش بولنا بھی مشکل سے آتا' شامل ہے اس قابل ہو چکا ہے کہ ایک دوسرے کی جگہ کام انجام دے سکے۔ یہ لوگ اپنا پروگرام خود لکھتے ہیں اور کسی بھی مشین پر کام کر سکتے ہیں۔ البتہ انہوں نے کہا کہ اس کے باوجود فیکٹری کو چلتا رکھنے کے لئے ہمیں کم تنخواہ پر چودہ گھنٹے روزانہ کام کرنا پڑتا ہے ورنہ مقابلہ کرنا مشکل ہو جائے۔

جاپان کے صنعتی مرکز نگویا کے نواح میں واقعہ ری کنڈیشنڈ ٹویوٹا کاروں کی فیکٹری میں آپ کو ابھی وہی "پروڈکشن لائن" نظر آئے گی جو ابتدا میں ہنری فورڈ نے ڈیزائن کی تھی۔ مگر اس پر کوئی مزدور کام کرتا ہوا دکھائی نہیں دے گا۔ یہ کام کمپیوٹر سکرین پر ہوتا ہوا دکھائی دے گا۔ ہزاروں پرزوں کو جوڑ کر کاریں تیار کرنے والے "روبوٹ" یہاں تک جانتے ہیں کہ کون سی کار کو کون سا رنگ ہونا ہے اور اس کے دو دروازے ہوں گے یا چار۔ آئندہ بہت جلد یہ روبوٹ گاہک کی مرضی کے مطابق آرڈر پر بھی کاریں تیار کرنا شروع کر دیں گے۔

زیادہ پیداوار دینے والی جدید صنعتوں کے لئے انتہائی اعلیٰ معیار کی اوزاروں کی صنعت بھی چاہئے اور اسے جدید سے جدید تر بنانے کے لئے مسلسل سرمایہ کاری کی بھی ضرورت ہے اور جاپانیوں نے یہ کام کر کے دکھا دیا ہے۔ انہوں نے ۱۹۸۰ء کے آخری پانچ سالوں میں اپنے قومی پیداوار کا بیس فیصد صرف نئے آلات اور کارخانوں پر صرف کیا۔

لوگوں کو اگر کام بالکل ہی نہ ملا تو کیا ہو گا؟۔ کیا ترقی یافتہ ممالک اپنی آدھی سے زائد آبادی کو پوری زندگی مہد سے لد تک' بغیر کام کے ضروریات زندگی فراہم کر سکیں گے۔ بظاہر تو ایچ۔ جی۔ ویلز کے قبل مسیح کے کسی دور کے انگلستان کا یہ تصور بڑا خوبصورت لگتا ہے۔ "فضائیں صاف شفاف تھیں' وسیع و عریض میدان جن میں جگہ جگہ پھل اور میوے تھے۔ دل کو لبھانے والے پھول اور ادھر سے ادھر اڑتی ہوئی خوبصورت تتلیاں...... پرسکون لوگ' آرام دہ گھر' صاف ستھرے لباس' مگر کسی کو کوئی محنت مشقت بھی نہیں......"۔

مگر یہ ایسی کوئی انہونی بات بھی نہیں۔ ماہرین کے نزدیک اگلی دہائی کا سب سے عظیم معاشرتی مسئلہ دفع الوقتی ہو گا۔ اب تک ہونے والے تجربات کی رو سے یہ یقینی ہے کہ نئی آسامیاں پیدا کرنا اب کبھی ممکن نہیں ہو گا۔ یہ بات پر لطف بھی ہے اور لرزا دینے والی بھی۔ پرانے قصے کہانیوں میں ایک ایسی برطانوی نسل کا ذکر ہے جو اپنا سارا وقت خوش گپیوں میں گزارتی تھی۔ ایک غلاموں کی نسل ان کی خدمت کے لئے موجود تھی۔ پھر کھانے پینے کی چیزیں ہوتے ہوتے ختم ہو گئیں اور وہ وحشی غلام جب بھوکے ہوتے تو کسی نرم اور کمزور گورے کا گلا کاٹتے اور کھا جاتے۔

کوئلے اور لوہے کی صنعت خوشحالی تو لاتی ہے مگر اس کا خاتمہ بھی کر جاتی ہے۔ ایک زمانہ تھا مغربی پنسلوانیا اور وادی رہر کی فضائیں وہاں کی بھٹیوں سے اٹھنے والے دھوئیں سے سیاہ رہتیں اور ان بھٹیوں میں کام کرنے والے نوٹوں سے جیبیں بھرتے لیکن باہر سے جب امریکی لوہا سستے داموں آنا شروع ہوا تو یہ صنعت دم توڑنے لگی اور یہاں کی سٹیل ملوں سے دھواں نکلنا بند ہو گیا۔ لوگ پریشان ہو گئے کہ کیسے گزر بسر کریں۔ اس کے علاوہ انہیں کوئی کام کرنا آتا ہی نہ تھا۔ ایک عرصے سے وہ یہی کام کر رہے تھے۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۳ء تک کے صرف چار سالوں میں یہاں کے صنعتی مرکز پٹس برگ' کے نواح میں ایک لاکھ مزدور روزگار سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ موجودہ میئر 'سوفی سلاف' کہتے ہیں کہ "ان دنوں ہم پر اس قدر خوف طاری تھا جیسے موت آنے والی ہو۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ لوگ کہاں جائیں"۔ لیکن پٹس برگ کے سماجی' سیاسی اور کاروباری حلقوں' سب نے مل کر کام کیا اور اس شہر کو بچا لیا۔ یہاں کے رہنے والے ہر شخص نے اسے اپنا ذاتی مسئلہ سمجھ کر ساتھ دیا خواہ اس کا تعلق کسی بھی شعبہ زندگی سے تھا۔ کارنیگی میلان یونیورسٹی اور پٹس برگ یونیورسٹی نے اپنے تمام وسائل اس کام کے لئے پیش کر دیئے۔ ماہرین نے مقامی معیشت کا جائزہ لے کر اس سے بھرپور استفادے کا فیصلہ کیا۔ لوہے کی صنعت سے فارغ ہونے والے مزدوروں کو نئے سرے سے تربیت دینے کا اہتمام کیا گیا۔ نتیجہ میں اس وقت یہاں آٹھ سو ہائی ٹیک' کمپنیاں کام کر رہی ہیں۔ جن میں آدھی گزشتہ صرف دس سال میں وجود میں آئی ہیں۔

ملازمت کا اب تک کا یہ تصور کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد کوئی مستقل ملازمت اختیار کر لی اور ساری زندگی کام کرنے کے بعد وہیں سے ریٹائر ہو گئے' ختم ہو چکا ہے۔ بلکہ اب تو ماہر کارکن خود بھی ہمیشہ کے لئے کسی ایک شعبہ سے وابستہ رہنا پسند نہیں کرتے۔ اب مستقبل صرف ایسے کارکنوں کا ہے جو اپنے اندر نئی نئی تبدیلیاں لانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ٹیکنالوجی اس تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے کہ ایک ہی نوعیت کا کام دس سال سے زیادہ نہیں چلتا۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی بڑی کمپنیاں بھی مستقل ملازمین کی جگہ عارضی اور جز وقتی ملازمین کو ترجیح دے رہی ہیں۔

عالمی سطح پر آبادی کے تناسب سے بیرونی ممالک کو جانے والے کارکنوں کی تعداد ان نقل مکانیوں کے مقابلے میں اب بھی بہت کم ہے جو انیسویں صدی میں بڑے پیمانے پر ہوئی تھیں۔ لیکن محض تعداد کے لحاظ سے پہلے سے زیادہ لوگ دیگر ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ پچھلے بیس برس میں یہ تعداد چار گنا ہو چکی ہے جبکہ اگلے دس برسوں میں پچیس تیس ملین سے بڑھ کر چالیس ملین ہونے کی توقع ہے۔ دوسرے ممالک کا رخ کرنے والوں میں اب بھی بڑی تعداد غیر ہنر مند یا نیم ہنر مندوں پر مشتمل ہے تاہم ایسے اعلیٰ تربیت یافتہ افراد بھی آگے آ رہے ہیں جن کا تعلق ترقی پذیر ممالک سے ہے اور ان میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ خاص کر ہندوستان میں ریاضی' سائنس اور انگلش بول چال رکھنے والے فارغ التحصیل لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہے اور وہاں کمپیوٹر کی سافٹ ویئر کی صنعت کو زبردست عروج ہو رہا ہے۔ برطانوی کمپنیاں قلیل المیعاد منصوبوں کے لئے ہندوستانی پروگراموں کی خدمات حاصل کرتی ہیں۔ اسی طرح کیلیفورنیا میں بہت بڑی تعداد میں ہندوستانی ان پروگراموں پر کام کر رہے ہیں۔ اس طرح کے کارکنوں کی طلب ہر جگہ موجود ہے شرط یہ ہے کہ ان کے پاس دماغ ہو۔

کنفیوشس کا قول ہے "مستقبل میں جھانکنا چاہو تو ماضی کا مطالعہ کر لو"۔ امریکہ کی مثال لے لیں

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

داعی تحریک جلسہ عام اور پریس کانفرنس میں

میانوالی کی سنگلاخ زمین میں بھی خلافت کا بیج ڈالا گیا

صدارتی نظام ہمارے نظریات سے قریب تر ہے

وقائع نگار

صد شکر خداوند ذوالجلال کا کہ جس نے اپنے کمزور ترین بندوں کو پاکستان میں نظام خلافت قائم کرنے کی جدوجہد کی توفیق بخشی' اس سے پیشتر تحریک خلافت کے ضمن میں لاہور' راولپنڈی اور ملتان سمیت اکثر شہروں میں عوامی اجتماعات ہوچکے ہیں۔ جبکہ حالیہ عوامی اجتماع مورخہ ۱۳ جون کو میانوالی جیسے سنگلاخ پہاڑیوں سے گھرے ہوئے شہر میں ہوا۔ جون کی شدید گرمی میں منعقد ہونے والے اس جلسہ میں میانوالی کے باسیوں کی بھرپور شرکت باعث تحسین اور تحریک کے لئے تازہ اور توانا خون کی فراہمی کی ضامن ہے۔

۱۳ جون کے جلسہ کی اطلاع معاونین تحریک خلافت غربی پنجاب کو مورخہ ۸ جون کو دے دی گئی تھی جبکہ ۱۰ جون کو حتمی طور پر اس جلسہ کی عام اطلاع کردی گئی۔ ناظم تحریک خلافت غربی پنجاب جناب احسان الٰہی ملک صاحب نے ۱۰ جون کو میانوالی جانے کا فیصلہ کیا۔ لہٰذا رات ۱۰ بجے تحریک خلافت کمیٹی فیصل آباد ڈویژن کے ۱۳ رفقاء ناظم تحریک خلافت و امیر تنظیم اسلامی فیصل آباد کی قیادت میں عازم سفر ہوئے۔ رات کا کھانا راستہ میں تناول کیا گیا۔ تحریک خلافت کے پروانوں کا یہ قافلہ صبح ساڑھے چار بجے قائد آباد پہنچا۔ یہاں نماز فجر ادا کرنے کے بعد رفقاء نے چائے پی کر سفر کی تھکان کو قدرے ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

اس کے بعد اگلی منزل کی طرف قافلہ رواں دواں ہوگیا اور صبح ۷ بجے میانوالی شہر پہنچ کر جامعہ مسجد متصل میونسپل کمیٹی میں جاگزیں ہوا۔ ساڑھے آٹھ بجے تک ناشتہ سے فارغ ہوکر تمام رفقاء کا مسجد میں قیام رہا۔ اس قافلے کے پہنچتے ہی میانوالی کے رفقاء جناب حاجی محمد عبداللہ صاحب اور جناب دلاسہ خاں صاحب آملے جن کے مشورہ سے تمام رفقاء دو دو کی ٹولیوں میں تقسیم ہوکر مختلف مساجد میں رابطہ اور ہینڈبل تقسیم کرنے کے لئے نکل پڑے۔

اسی دوران مسجد میں میانوالی کے سینئر سول جج جناب سجاد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ موصوف تبلیغی جماعت کے سرگرم رکن ہیں۔ جلسہ کے لئے اعلان بذریعہ لاؤڈ سپیکر کی ڈیوٹی معاون تحریک غلام محی الدین (فیصل آباد)' افتخار احمد (فیصل آباد) اور راقم الحروف کے ذمہ لگائی گئی۔ دریں اثنا جناب رحمت اللہ بٹر صاحب (مرکزی ناظم مالیات) تشریف لاچکے تھے' جنہوں نے آتے ہی رفقاء کے خورد و نوش اور جملہ دوسرے انتظامی امور کو انتہائی تندہی سے انجام دینا شروع کردیا۔

۱۳ جون کو تقریباً صبح ۹ بجے فیصل آباد سے انجمن خدام القرآن کے صدر جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور معتمد میاں محمد اسلم صاحب بھی تشریف لے آئے اور کارکن ساتھیوں نے ایک نئی توانائی محسوس کی۔ ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے آتے ہی اپنے ہاتھوں سے کپڑے دھوکر سنت نبویؐ کو تازہ کرتے ہوئے رفقاء تحریک کو ایک عملی درس دیا' پھر گلی کوچوں اور بازاروں میں خود منادی کرکے ساتھیوں کی جھجک دور کی۔ تنظیم اسلامی فیصل آباد کے معتمد مختار احمد صاحب بھی آج تشریف لے آئے تھے اور عصر کے بعد منادی کی ذمہ داری انہوں نے ادا کی۔ گویا پورا کام ایک ٹیم کی طرح سب ساتھی مل جل کر کررہے ہیں۔ کچھ ساتھی جلسہ کے متعلقہ اشتہار بانٹنے' پوسٹر لگانے اور لوگوں سے ملاقاتوں میں مصروف رہے۔ خصوصاً حاجی محمد عبداللہ صاحب اور دلاسہ خاں صاحب تو جلسہ کے انعقاد اور اس کی کامیابی کے لئے صبح سے شام اور رات سے صبح تک ایسے بھاگ دوڑ کرتے نظر آرہے تھے جیسے دونوں محاذ جنگ پر ہوں۔

صبح ناشتہ کے بعد چند رفقاء جن میں ناظم تحریک غربی پنجاب)' امیر تنظیم اسلامی (فیصل آباد)' معتمد انجمن خدام القرآن (فیصل آباد) اور سیکرٹری جنرل تحریک خلافت فیصل آباد ڈویژن شامل تھے' داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ کے استقبال کے لئے مسجد میں ٹھہر گئے تھے۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے رہبر تحریک جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور معتمد تحریک خلافت پاکستان جناب عبدالرزاق صاحب تشریف لے آئے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تمام رفقا سے فرداً فرداً بالمشافہ علیک سلیک کے بعد جلسہ کے پروگرام کے متعلق تبادلہ خیال فرماکر آرام کے لئے میانوالی کے ریسٹ ہاؤس میں تشریف لے گئے۔ اس سے پیشتر داعی تحریک خلافت کو معززین شہر کی طرف سے ایک پریس کانفرنس میں شرکت کے لئے دعوت دی جاچکی تھی جو شام ٦ بجے جناب کلیم اللہ ملک صاحب (سیکرٹری موتمر عالم اسلامی میانوالی کی رہائش گاہ المعروف' فیصل شہید پر منعقد ہونا قرار پائی تھی۔

ٹھیک سوا پانچ بجے داعی تحریک خلافت' ناظم تحریک غربی پنجاب کی معیت میں مسجد متصل میانوالی میونسپلٹی میں تشریف لے آئے۔ نماز عصر کی ادائیگی کے فوراً بعد جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب معتمد تحریک خلافت پاکستان' ناظم مالیات رحمت اللہ بٹر صاحب ناظم تحریک و سیکرٹری تحریک خلافت فیصل آباد ڈویژن کی رفاقت میں پریس کانفرنس کے لئے الفیصل شہید تشریف لے گئے۔ صاحب خانہ جناب کلیم اللہ ملک صاحب نے داعی تحریک خلافت پاکستان کا انتہائی عزت و احترام اور خوبصورت پیرائے میں استقبال کرنے کے بعد معززین شہر سے تعارف کروایا جن میں ڈاکٹر غلام سرور صاحب سابقہ پرنسپل زرعی یونیورسٹی فیصل آباد' پروفیسر سلطان محمود صاحب

(گورنمنٹ کالج میانوالی)' آغا سید غلام مرتضیٰ صاحب (چیئرمین بلدیہ میانوالی)' میاں محمد زمان خان صاحب (جماعت اسلامی میانوالی)' محمود الحسن صاحب (کنٹریکٹر میانوالی) و دیگر بہت سے معززین شامل تھے۔ پریس کانفرس میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تحریک خلافت کے خدوخال اغراض و مقاصد اور برکات نیز طریقہ کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور ساتھ ہی ملکی سیاست کا بڑی باریک بینی سے تجزیہ پیش کیا جس کو تمام شرکاء نے بکمال و تمام سراہا۔

پریس کانفرنس کے چیدہ چیدہ نکات

☆ ۱ اسی علاقہ سے تعلق رکھنے والے ہمارے جنرل نے ایک سکھ جنرل کو اپنی پستول پیش کی جو انتہائی ذلت آمیز شکست کی علامت تھی۔

☆ ۲ پاکستان کے دونوں حصوں' مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں ایک زبان اور مشترکہ ذات برادریوں کی موجودگی عنقا تھی۔

☆ ۳ قائداعظم نے پاکستان اسلام کے نعرے کی بنیاد پر بنایا تاہم پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد مذہبی جماعوں کو انتخابی سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہئے تھا۔ یہ مذہبی جماعتوں کی سب سے بڑی غلطی ہے۔

☆ ۴ تحریک خلافت کا منتہائے مقصود ایک ویلفیئر سٹیٹ کا قیام ہے جس کی مثال حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے کہ اگر دریا فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مرگیا تو عمرؓ کو قیامت کے دن جوابدہی کرنی پڑے گی۔

☆ ۵ صدارتی نظام ہمارے نظریات سے قریب تر ہے۔

☆ ۶ صوبوں کی موجودہ حد بندی تبدیل ہونی چاہئے' خاص کر شمال مغربی سرحدی صوبہ کا نام اگر وہاں کے لوگوں کی خواہش اور ثقافتی اقدار کے مطابق رکھ دیا جائے تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟

☆ ۷ پاکستان میں مارشل لاء کسی صورت نہیں آنا چاہئے۔

☆ ۸ انتخابات نئے ہونے چاہئیں لیکن بالکل آزادانہ اور منصفانہ بنیاد پر۔

☆ ۹ مذہبی جماعتیں انتخابی عمل سے علیحدہ ہو کر مزاحمت کے ذریعے اسلامی انقلاب کے لئے کام کریں۔

آخر میں مختلف سوالات کے جوابات دیئے گئے جو کہ درج ذیل ہیں:

☆ سوال-- علماء حضرات جو پی ڈی اے میں شامل ہیں وہ پی ڈی اے کے موقف کی بات کرتے ہیں اور نواز شریف گروپ کے علماء ان کے موقف کے حامی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

○ جواب-- مجھے آپ کس گروپ میں سمجھتے ہیں!

☆ س-- کیا زمین کی ملکیت کی کوئی حد بھی ہے؟

○ ج-- زمین کی ملکیت کی کوئی حد نہیں ہے

☆ س-- آپ نے نظام خلافت کی جو بات کی ہے اس کے لئے تو باقاعدہ جنگ کرنا پڑے گی' آپ کیا کریں گے؟

○ ج-- ہم اس کے لئے باقاعدہ اپنے ساتھیوں کو پہلے نظریاتی پختگی سے مسلح کریں گے۔ یہ کام جاری ہے اس کے بعد عملی تربیت کا دور ہوگا جس کے بعد انشاء اللہ عملی جدوجہد کا آغاز کیا جائے گا جیسا کہ حضور اکرمؐ نے اپنی حیات طیبہ سے درس دیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی کانفرنس ختم ہوگئی اور پھر رات ۹ بجکر پچاس منٹ پر کمیٹی پارک میں جلسہ عام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ جلسہ گاہ کو روشنیوں سے بقعہ نور بنایا گیا تھا جبکہ اسٹیج بھی انتہائی خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ صدر انجمن خدام القرآن فیصل آباد جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے اسٹیج سیکرٹری کے فرائض ادا کرتے ہوئے سب سے پہلے معاون تحریک حافظ مقبول احمد صاحب کو بلا کر تلاوت قرآن پاک کی دعوت دی۔ حافظ صاحب نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ سورۃ نور کی چند آیات کی تلاوت کی۔ اس کے بعد تحریک خلافت کمیٹی فیصل آباد کے عہدیداران اور تحریک خلافت پاکستان کے مرکزی قائدین اور میانوالی کے معاون تحریک محترم حاجی محمد عبداللہ صاحب کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔ پھر ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے سورۃ صف کی تلاوت مع ترجمہ و مختصر تشریح' کی۔ ٹھیک دس بجے امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جلسہ گاہ میں تشریف لے آئے۔ تقریباً نصف گھنٹہ محترم رحمت اللہ بٹر صاحب نے قرآن کی روشنی میں خطاب کیا۔

ساڑھے دس بجے جناب ڈاکٹر صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے سورہ صف اور سورہ نور کی روشنی میں نہایت مدلل انداز میں تحریک خلافت کی ضرورت و اہمیت کے ساتھ ساتھ نظام خلافت کے قائم ہونے پر قابل حصول برکات کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ نبی اکرمؐ کے فرمان کے مطابق یہ شدنی امر ہے' لہٰذا ہمیں خلافت کے نظام کے قیام کی خاطر لازمی طور پر جدوجہد کرنی چاہئے۔ اس طرح یہ جلسہ رات ساڑھے بارہ بجے اختتام پذیر ہوا۔

خلیج کی جنگ

ٹھیک ٹھیک بمباری کا پول کھل رہا ہے

لڑاکا طیاروں کے ساتھ لگے ویڈیو کیمروں سے لی گئی تصویروں کے ذریعے جنگ کے دنوں میں ٹھیک ٹھیک نشانہ پر کی جانے والی بمباری کے بڑے چرچے ہوئے مگر اب جو حقائق سامنے آرہے ہیں ان سے ایک مختلف صورت حال کا پتہ چلتا ہے۔

امریکی فضائیہ کے طیاروں نے جن کے ساتھ لیزر کی مدد سے بم گرانے کے آلات نصب تھے' متحرک عراقی سکڈ میزائیلوں کو تباہ کرنے کے لئے ۱۵۰۰ اڑانیں کیں مگر کوئی ایک میزائل بھی تباہ نہ کیا جا سکا۔

اگرچہ ایک اندازے کے مطابق عراق کے ۲۶۳۳ ٹینک اس جنگ میں ضائع ہوئے لیکن میدان جنگ سے موصول ہونے والے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اتحادی لڑاکا طیاروں کی بمباری سے اس تعداد کا صرف ۲۰ فیصد تباہ ہوئے ہیں اور رپورٹ کا خفیہ حصہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ امریکی طیارے متحرک یا اچھی طرح چھپائے گئے نشانوں کو تلاش کرنے میں ناکام رہے۔

امریکی فضائیہ نے جنگ ویت نام میں ناکامی کا داغ دھونے کے لئے خلیج کی جنگ میں فتح و کامرانی کے بڑے بلند و بالا دعوے کئے ہیں۔ خیال کیا جانے لگا تھا کہ یہ جنگ ویڈیو گیم کی مانند لڑی گئی ہے لیکن امریکی فضائیہ کے ابتدائی تین مقاصد یعنی عراقی فوجی قیادت' کیمیائی اور جوہری ہتھیاروں اور ریپبلکن گارڈز کی تباہی میں سے کوئی ایک بھی پورا نہیں ہوا (امپیکٹ انٹرنیشنل جون' جولائی ۹۳ء)

بقیہ: سیمینار

نفع نہیں۔ چنانچہ اس قسم کی باتیں کرکے فی الحقیقت مقصود اشتباہ پیدا کرنا اور ذہنی پراگندگی پیدا کرنا ہے۔ یہ باتیں اب پرانی ہو چکی ہیں اور بحث کافی آگے نکل گئی ہے۔ پوری دنیا میں یہ امر مسلم ہے کہ اس اصطلاح کا ایک ہی مطلب ہے۔ عرب معاشرے میں usury بھی تھی اور Commercial Interest بھی تھا۔ بھلا قریش ربوا کا مفہوم نہیں جانتے تھے جو ساری دنیا کی تجارت کو کنٹرول کرتے تھے؟ وہ دنیا کی East - West ٹریڈ کا سب سے بڑا رابطہ تھے۔ ان کا گرمی کا سفر شمال (شام) کی طرف ہوتا تھا جو ٹھنڈا علاقہ تھا اور سردی کا سفر جنوب' یمن کی طرف ہوتا تھا جو گرم علاقہ تھا۔ ان کے ہاں ربوا کا مفہوم پوری طرح واضح تھا۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ ربوا کیا ہے جبکہ ان کے ہاں سود اور تجارتی نفع کی دونوں شکلیں رائج تھیں۔

البتہ سود کی حرمت کا حکم بتدریج آیا جیسا کہ شراب کی حرمت کا حکم بتدریج آیا تھا کہ پہلے فرمایا گیا کہ شراب اور جوئے میں لوگوں کے لئے نفع تو ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔ پھر فرمایا کہ نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے کی حالت میں ہو پھر آخری حکم آیا جو بہت سخت تھا کہ اب تم شراب سے باز آتے ہو کہ نہیں! اگرچہ زیادہ ذہین لوگ پہلے حکم پر ہی شراب کو چھوڑ گئے تھے کیونکہ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ حالات کا رخ کدھر جا رہا ہے اسی طرح سورۂ روم میں جو کہ مکی سورۃ ہے جبکہ مکے میں شریعت کے احکام نازل نہیں ہوئے' فرمایا کہ تم قریبی رشتہ داروں' مسکینوں اور مسافر کو ان کا حق دو اور جو تم سود لیتے ہو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔

پھر سورہ آل عمران میں جو مدنی سورۃ ہے' فرمایا گیا "اے ایمان والو بڑھتا چڑھتا سود نہ کھاؤ" اور آخر سن ۹ ہجری میں وہ آیت آگئی کہ اگر سود سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسولؐ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تو کیا صحابہؓ ان آیتوں سے سمجھے نہیں تھے کہ کس چیز کے بارے میں بات ہو رہی ہے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اسلامی اقتصادیات کے دو درجے ہیں۔ ایک ایمانی' اخلاقی' روحانی اور احسانی درجہ ہے کہ جو چیز تمہارے استعمال سے زیادہ ہے وہ اللہ کی راہ میں دے دو' لیکن یہ قانونی نہیں اور جبرا نہیں۔ دوسرا درجہ قانونی اور فقہی ہے کہ جو چیز جائز طریقے سے حاصل کرو وہ تمہاری ملکیت ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں چار اصول واضح کر دیئے گئے تھے۔ پہلا یہ کہ تم کسی چیز کے مالک نہیں بلکہ مالک حقیقی اللہ ہے' تم صرف امین اور خلیفہ ہو' دوسرے جو کچھ تمہیں ملتا ہے اسے اپنی کمائی نہ سمجھو بلکہ اللہ کا فضل سمجھو' تیسرے اللہ کے اس فضل میں تمہارا جائز حق صرف تمہاری ضروریات ہیں اور چوتھے جو ضرورت سے زائد ہے وہ اللہ کی راہ میں دے دو۔ نبی اکرمؐ' خلفائے راشدینؓ اور پھر اولیاء اللہؒ نے اس چوتھے اصول کے تحت زندگی گزاری اور یہ صورت سوشلزم سے بھی آگے نکل جاتی ہے اور گویا سوشلزم کی روحانی شکل ہے۔ لیکن اسلام میں قانونی سطح پر Internally Controlled Capitalism یعنی داخلی طور پر محدود سرمایہ داری بھی ہے۔ سوشلزم بے قابو سرمایہ داری کے خلاف ردعمل تھا اور اس قسم کا ردعمل اب بھی کسی شکل میں پیدا ہو سکتا ہے۔

آج یہودی دنیا کی اقتصادیات پر قابض ہیں اور انہوں نے پوری دنیا کے استحصال کے لئے سودی نظام نافذ کیا ہے حالانکہ سود عیسائیت میں بھی حرام تھا۔ اسلام نے اپنے اندرونی نظام کی اصلاح زکوٰۃ کے ذریعے کی ہے تاکہ دو انتہائیں پیدا نہ ہو سکیں۔

اسلام کے نظام میں "سرمایہ کاری" کی شکل یہ بھی ہے کہ قرض حسن دے دو ورنہ پھر دوسری یہ کہ مضاربت ہو۔ نفع جو صرف سرمائے سے حاصل ہو اور معین ہو' حرام ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بینکوں کے نفع کو واضح طور پر حرام قرار دیا۔ آپ نے کہا کہ ایک سودی نظام جس کی طرف ہماری توجہ نہیں جاتی' زمین داری کا نظام ہے' جس میں مزارعت حرام ہے۔ چونکہ فتویٰ کے مطابق ہندوستان' پاکستان کی اراضی خراجی ہے اس لئے خراج براہ راست بیت المال میں جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے اسلامی نظام کی طرف پیش رفت میں صرف دو چیزیں مثبت ہوئی ہیں۔ ایک قرارداد مقاصد اور دوسرا تمام مسالک کے علماء کی طرف سے دستور کے ۲۲ متفقہ اصول۔

آخر میں صدر مجلس نے کہا کہ اب جبکہ ڈاکٹر صاحب نے اتنے واضح انداز میں بینک کے سود کو حرام قرار دے دیا ہے' بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اصل میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر حسب معمول اتنی مدلل اور موثر تھی کہ چاہے وقتی طور پر ہی سہی' سب سامعین انتہائی متاثر نظر آ رہے تھے۔ صدارتی کلمات میں کہا گیا کہ اس سیمینار کا مقصد سوچ کے نئے زاویئے تلاش کرنا ہے تاکہ اقتصادی نظام میں نئی باتیں سامنے آئیں۔○○

بقیہ: برید فرنگ

۱۸۷۰ء تک یہ دیہی آبادی والا ایک ملک تھا مگر بیسویں صدی میں داخلے کے ساتھ ہی ایک صنعتی ملک بن چکا تھا۔ اس کے لئے اسے جو کٹھن مراحل طے کرنے پڑے انہیں جاننا ضروری ہے اگر آپ کوئی سرحدیں دریافت کرنا ہے تو صحرا پار کرنے ہوں گے۔○○

بقیہ سیالکوٹ

لئے خطرہ ہے اور امریکہ اسی لئے صومالیہ میں آیا ہے۔ اگر انسانی ہمدردی کی وجہ سے آنا تھا تو وہ بوسنیا میں کیوں نہیں گیا جہاں پر ایک ایک دن میں ہزاروں مسلمان خواتین سے اجتماعی زیادتی کی گئی۔

داعی تحریک خلافت نے کہا کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر افتاد کے اصل ذمہ دار ہم پاکستانی مسلمان ہیں۔ ہم نے دین کے نام پر حاصل کئے گئے ملک میں دین کا نفاذ نہ کرکے اللہ تبارک تعالیٰ سے وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان کی انتہا پسند ہندو تنظیموں کا یہ نعرہ ہے کہ "مسلمان کے دو استھان--- پاکستان یا قبرستان"۔ انہوں نے کہا کہ ہم پر یہ ذمہ داری ہے کہ ہم سب سے پہلے پاکستان میں اللہ کے دین کو غالب کریں اور پھر پوری دنیا میں اس نظام خلافت کو غلبہ دلائیں اور یہ کام انتخابی جدوجہد سے نہیں بلکہ انقلابی جدوجہد سے ہو گا۔ جلسہ کا اختتام دعائے خیر پر ہوا اور اس وقت گھڑی رات کا ایک بجا رہی تھی۔○

بقیہ: آزاد کشمیر

بعد میں سوال و جواب کی نشست میں شرکاء جلسہ کے سوالات کے جواب دیئے۔

محترم داعی تحریک نے ۲۵ جون کو نماز جمعہ سے قبل جامع مسجد فاروقیہ صادق آباد (راولپنڈی) میں پاکستان میں نظام خلافت کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ شام کو نماز مغرب کے فوراً بعد تحریک کے ساتھی' ایک مقامی صنعت کار جناب محمد صدیق صاحب کی دعوت پر اسلام آباد ہوٹل کے شیش محل ہال میں نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے کے موضوع پر مفصل خطاب کیا۔ ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بعدہ سامعین کے سوالات کے جواب دیئے گئے۔○○

سیالکوٹ میں تحریک خلافت کا پہلا جلسہ عام

— وقائع نگار —

ترکی میں کمال اتاترک کے ہاتھوں علامتی خلافت کی قبا چاک ہونے پر شاعر مشرق علامہ اقبال کی دلی کیفیت ان الفاظ میں سامنے آئی۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنی بھی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

کونے میں پہنچانے کا عزم کیا اور اسی سلسلہ میں ۱۷ جون بروز جمعرات شہر اقبال سیالکوٹ بھی تشریف لائے۔

جلسہ خلافت کا انعقاد سیالکوٹ کے تاریخی قلعہ کے سبزہ زار میں ہوا۔ کارروائی کا آغاز تلاوت کلام

عورتوں کی طرح بیچتے پھر رہے ہیں اور جنہیں صوبہ کی اعلیٰ عدالت "لوٹوں" کے خطاب سے نواز چکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان سے چھٹکارا منہج انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرنے سے ہوگا۔

رات دس بج کر بیس منٹ پر امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطاب کا آغاز کیا۔ انہوں نے کہا کہ نظام خلافت ہر مسلمان کے دل کی آرزو ہے اور اس کے غلبہ کی خوشخبری محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں موجود ہے۔ یہ نظام پوری دنیا

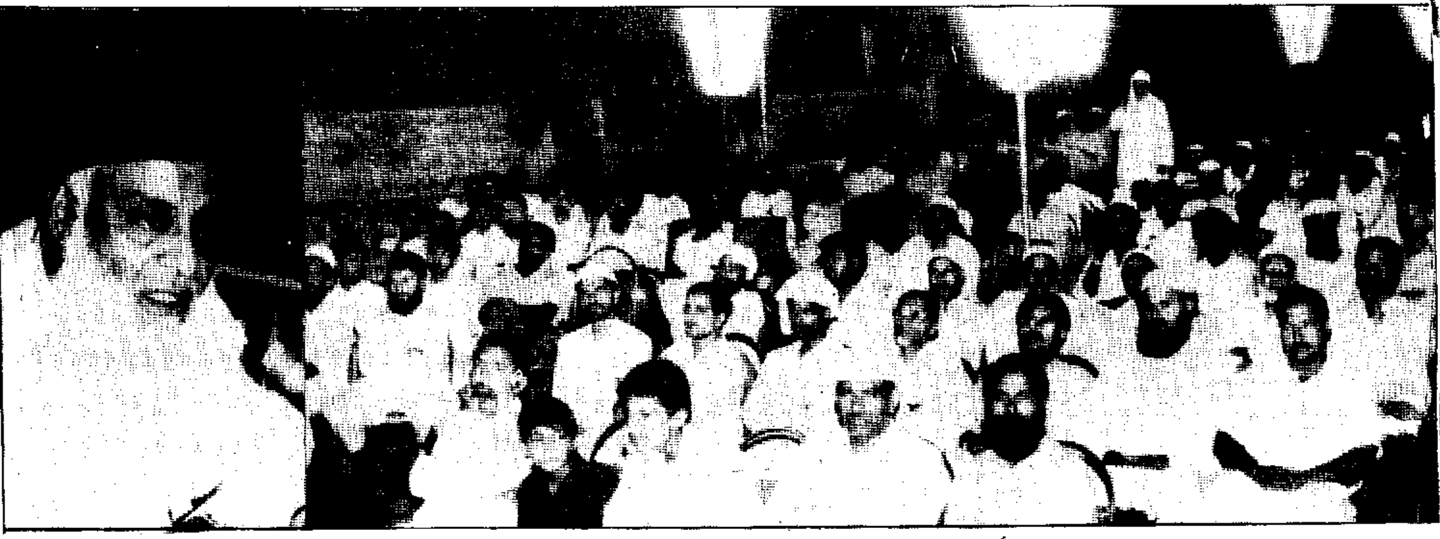

سیالکوٹ کے جلسہ عام میں حاضری کا جزوی منظر --- داعی تحریک کا خصوصی خطاب

پھر اگرچہ نظام خلافت کے غلبہ اور احیاء کی آرزو شاعر مشرق اپنے دل میں لئے اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ تاہم نوجوانان ملت سے ان کی فرمائش یہی تھی کہ۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اسی مقصد عظیم کی تکمیل کا نعرہ ایک مرد قلندر امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے بلند کیا اور اس ندا کو پاکستان کے کونے

دوسرے مقررین: دائیں جانب جناب عبدالرزاق، بائیں طرف مرزا ندیم بیگ

پاک سے ہوا۔ قاری عبدالعزیز صاحب نے خوبصورت انداز میں سورۃ نور کی آیۃ استخلاف کی تلاوت کی اور ترجمہ بھی سنایا۔ تلاوت کے بعد گجرات سے تحریک کے ساتھی محمد اقبال میر نے کلام اقبال "خودی کا سرنہاں" پیش کیا اور پھر سٹیج سیکرٹری حافظ ذوالفقار شاہد بٹ نے مرزا ندیم بیگ ناظم تحریک خلافت گوجرانوالہ ڈویژن کو دعوت خطاب دی۔ مرزا ندیم بیگ نے اپنے خطاب میں کہا کہ ہمیں پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب کردہ نظام کو اختیار کرنا چاہئے۔ موجودہ جمہوری نظام کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو اپنے ضمیر کو جسم فروش فاحشہ

حافظ ذوالفقار شاہد
-- سٹیج سیکرٹری

میں قائم ہو کر رہے گا' اس کا وعدہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ نور میں بھی کیا ہے اور پاکستان کے استحکام کی ضمانت اسی نظام کے قیام میں ہے۔ انہوں نے پاکستان کے حکمرانوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ سب امریکہ کے اشاروں پر ناچنے والے ہیں بلکہ ہماری حکومت کا ریموٹ کنٹرول امریکہ کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان طاقتوں کے پنجے سے رہائی مطلوب ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ خدائی نظام کو اختیار کیا جائے ورنہ ذلت و مسکنت ہمارا مقدر ہے۔

بین الاقوامی حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے داعی تحریک نے کہا کہ پوری دنیا کے مسلمان ذلیل و رسوا ہیں اور یہ نتیجہ ہے نیو ورلڈ آرڈر کا جو حقیقت میں جیو ورلڈ آرڈر ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کا صومالیہ میں آنا انسانی ہمدردی کے تحت نہیں بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ سوڈان میں اسلام کا پنپنا امریکہ کے

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پریس ریلیز

یہاں کی واحد دینی انقلابی تحریک بھی مذہبی سیاسی جماعت بن گئی

مذہبی جماعتوں نے انتخابات میں حصہ لے کر ووٹ تقسیم ہی کرائے ہیں

ہماری مذہبی جماعتیں فرقہ واریت کی بنیاد پر قائم ہیں---ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

لاہور 18 ر جون تنظیم اسلامی کے امیر اور تحریک خلافت پاکستان کے داعی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ہماری مذہبی سیاسی جماعتوں میں سے جو بھی اپنے دینی کام کو انقلابی رنگ دینے کی غرض سے انتخابی سیاست کے اکھاڑے کو خیرباد کہے گی اسے تین فوائد نقد حاصل ہوں گے۔ اولین اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ جماعت اس عمومی الزام سے بری ہو جائے گی جو مذہبی جماعتوں پر زور شور سے لیکن بجاطور پر لگایا جاتا ہے کہ اسلام کا نام لینے والے گروہ دائیں بازو کے ووٹ تقسیم کراتے اور یوں سیکولر یا بائیں طرف جھکاؤ رکھنے والی جماعتوں کو کمک پہنچاتے ہیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ اس جماعت کے چھوٹے یا بڑے ووٹ بینک کا زیادہ سے زیادہ حصہ وصول کرنے کی غرض سے وہ مذہبی جماعتیں انتخابات سے باہر نکل آنے والی اس جماعت کے قریب آنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں گی جو اس اکھاڑے میں موجود رہتی ہیں اور اس کے نتیجے میں مذہبی حلقوں میں باہمی خیرسگالی کے وافر جذبات میسر آجائیں گے اور تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ تمام دینی اور مذہبی گروہوں میں سے جوش و جذبہ رکھنے والے ایسے سب لوگ خود بخود انتخابی سیاست سے اجتناب کرنے والی جماعت کی طرف کھنچے چلے آئیں گے جن میں مذہبی جماعتوں کی انتخابی ناکامیوں نے بد دلی اور مایوسی پیدا کردی ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطاب جمعہ میں ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ پاکستان میں صرف ایک جماعت کو دینی انقلابی تحریک کا نام دیا جا سکتا تھا لیکن وہ بھی مذہبی سیاسی جماعت بن کر رہ گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک اور بہت بڑا گروہ دین داری اور اتباع سنت میں تو بہت ممتاز ہے اور اسے ایک عظیم مذہبی تحریک بھی کہا جا سکتا ہے لیکن دین کی ہمہ گیریت اور انقلابی رنگ سے وہ بالکل خالی ہے جس کی وجہ سے آج کی دنیا کے لئے اس کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ان دو گروہوں کے علاوہ ہماری باقی سب مذہبی جماعتیں فرقہ واریت کی بنیاد پر قائم ہیں اور مختلف مسالک کی نمائندگی کرتی ہیں یا پھر ان میں سے کچھ کو پیشہ ور مذہبی طبقات کی ٹریڈ یونینوں کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان مذہبی جماعتوں نے اسلام کے نام پر پڑنے والے ووٹوں کو تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزار کر بے اثر کردیا اور ملکی سیاست کو جو پہلے ہی بہت گل سڑ چکی ہے، مزید متعفن کیا ہے جس کے پیش نظراب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ انتخابی سیاست میں اسلام کو ایک نعرے کے طور پر استعمال کرنا ترک کردیا جائے سوائے اس کے کہ انتخابی عمل میں شریک ہونے والی سب مذہبی جماعتیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں----OO

جلسہ خلافت بمقام دیر (صوبہ سرحد)

۹ جولائی بروز جمعہ صبح آٹھ بجے داعی تحریک محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دیر میں جلسہ خلافت سے خطاب فرمائیں گے جو اسٹیڈیم میں منعقد ہو گا۔ مزید براں جولائی بروز جمعرات دوپہر بارہ بجے تیمر گرہ میں وکلاء سے خطاب بھی فرمائیں گے جس کا وقت بارہ بجے دوپہر مقرر ہوا ہے۔

دوران سفر بٹ خیلہ میں کچھ دیر کے لئے مقامی ساتھیوں سے ملاقات بھی فرمائیں گے۔